

چینی مسلمانوں کی حالت زار

حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا
(اور
درو و سلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنہوں نے حق کا بول بالا کیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک ؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ”یأتی علی الناس زمان القابض علی دینہ کالقابض علی الجمر“ یعنی ایک ایسا وقت آئے گا کہ دین پر ثابت قدمی اور صبر اختیار کرنے والے کی حالت اس شخص کی مانند ہوگی جو انگارے کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ جزوی اور انفرادی طور پر مسلم ممالک میں اسلام پر سو فیصد عمل کے خواہاں مسلمان بھی اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہیں۔ مغربی ممالک میں اسلام اور مسلم دشمنی کے بہت سے واقعات اس کے شاہد ہیں کہ اب یہود و نصاریٰ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ مسلمان اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکیں تاہم اس سلسلہ میں سب سے المناک، افسوسناک اور صبر آزما حالت چینی مسلمانوں کی ہے۔

چین اور پاکستان ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں دونوں ممالک کے درمیان بہت سے مفادات مشترک ہیں۔ دونوں ملکوں کے عوام ایک دوسرے کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پاکستان اور چین کے درمیان کوئی سیاسی یا سرحدی تنازعہ نہیں ہے دونوں ممالک دوستی کے مضبوط رشتے سے وابستہ ہیں بالخصوص موجودہ حکومت کے سی پیک (CPEC) منصوبے نے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی بنیادیں بہت مضبوط اور گہری کر دی ہیں، اہل پاکستان کی اکثریت اسے صرف ایک سڑک یا بندرگاہ سمجھتی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر پوری دنیا بالخصوص جنوبی ایشیاء کا اقتصادی نقشہ تبدیل کرنے کا ایک جامع منصوبہ ہے اس کے ذریعے چین اور جنوبی ایشیاء کے دیگر کئی ممالک وسطی ایشیاء، یورپ اور افریقہ سے براہ راست منسلک ہو جائیں گے، اس پورے منصوبے میں بالآخر ۶۵ ممالک شریک ہو جائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ اس منصوبے کا زیادہ فائدہ چین ہی کو ہوگا لیکن پاکستان کے لئے بھی اس میں بہت سے اقتصادی مواقع اور امکانات ہیں۔ اس تناظر میں اہل پاکستان چین کے لئے نیک خواہشات رکھتے ہیں اور اس ملک کی ترقی و خوش حالی کے خواہاں ہیں۔ تاہم جب چین میں مسلمانوں پر لگائی جانے والی امتیازی پابندیوں اور

قوانین کی خبریں میڈیا پر آتی ہیں تو بحیثیت مسلمان اس پر قلبی صدمہ ہوتا ہے، سنکیانگ چین کا مسلم اکثریتی صوبہ ہے، یہ علاقہ کبھی مشرقی ترکستان کہلاتا تھا، سنکیانگ کا دارالحکومت ”اُرچی“ ہے جبکہ اس کا سب سے بڑا شہر کاشغر ہے، جس کا ذکر شاعر مشرق نے یوں کیا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تاجناک کاشغر

عوامی جمہوریہ چین کو سرکاری طور پر سیکولر اور لادین مانا جاتا ہے لیکن مذہب کی انفرادی طور پر پیروی کی اجازت ہے اور حکومتی نگرانی میں مذہبی جماعتیں بھی بنائی جاسکتی ہیں چین کے بڑے مذاہب میں کنفیوش ازم، تاؤ ازم، آباؤ اجداد کی پرستش، بدھ مت، اسلام اور عیسائیت ہیں۔ مذہبی آزادی کے دعووں کے برعکس چین میں مسلمانوں کو امتیازی سلوک کا سامنا ہے، بالخصوص سنکیانگ، جہاں ترکی النسل باشندوں کی اکثریت ہے یہ ”ایغور“ (Uyghur) کہلاتے ہیں، جو تقریباً تمام مسلمان ہیں۔ عالمی میڈیا کے مطابق سنکیانگ میں مذہبی آزادی کے لحاظ سے مسلمان انتہائی تکلیف دہ صورت حال سے دوچار ہیں۔ اس صوبے میں مسلمانوں کو عبادات سے لے کر دینی شعائر تک پابندی کا سامنا ہے چینی روزنامہ ”چائے بوٹھ ڈیلی“ کے مطابق حال ہی میں سنکیانگ کی ایک عدالت نے نخلستانی شہر کاشغر کے ایک اڑتیس سالہ ایغور مسلمان کو ڈاڑھی رکھنے کی پاداش میں چھ برس کی قید سنائی ہے اس اخبار کی رپورٹ کے مطابق اس شخص کی بیوی کو نقاب کرنے پر عدالت نے دو سال قید کا حکم سنایا ہے، ڈاڑھی رکھنے والے شخص نے ۲۰۱۰ء میں ڈاڑھی رکھ لی تھی اور اسی وقت سے اس کی بیوی نے بھی باقاعدگی سے نقاب پہننا شروع کر دیا تھا۔ یہ امر اہم ہے کہ سنکیانگ حکام گزشتہ ایک برس سے ڈاڑھی رکھنے کے خلاف مسلسل مہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایسی ہی ایک اور مہم ”پراجیکٹ بیوٹی“ کے نام سے شروع کی گئی ہے جس میں خواتین کو تلقین کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ نقاب کے بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہوئے ننگے سر گھومیں پھریں۔

ورلڈ ایغور کانگریس کے ترجمان دلشاد راشد نے اسے سیاسی جبر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان مسلسل اس جبر کا سامنا کر رہے ہیں، دنیا کے کسی ملک میں ڈاڑھی رکھنے پر سزا نہیں سنائی جاتی، یہ غیر معقول اور ناقابل قبول ہے۔ اگر کوئی عام چینی شہری ڈاڑھی بڑھالے تو وہ فیشن کے زمرے میں آئے گی اور اگر ایسا کوئی ایغور مسلمان کرے تو یہ اقدام مذہبی انتہا پسندی کا مظہر خیال کیا جاتا ہے۔

ابھی رمضان المبارک گزرا ہے پوری دنیا کے مسلمانوں نے حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی کے لئے آزادی کے ساتھ روزے رکھے ہیں لیکن چین میں حکمران کیمونسٹ پارٹی جو باضابطہ طور پر ایک لادین پارٹی ہے گزشتہ کئی برسوں سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہے کہ مغربی صوبے سنکیانگ میں مسلمانوں کو جہاں تک ہو سکے روزے رکھنے سے باز رکھا جائے۔ مقامی حکومت کی ویب سائٹ پر اعلان کیا گیا کہ رمضان کے دوران سرکاری اہل کاروں کو روزہ رکھنے، راتوں کو جاگنے یا ایسی ہی دوسری مذہبی سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ سنکیانگ میں سکولوں کے مسلم بچوں کو حکم تعلیم کی طرف سے رمضان المبارک کی آمد سے چار روز پہلے ہی انتباہ کر دیا گیا کہ ”نسلی اقلیتی طلبہ کو رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنے، مساجد میں داخلے اور کسی قسم کی مذہبی

سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہوگی۔“

چینی حکومت نے ”ایغور“ نسل کے مسلمانوں کو پاسپورٹ جاری کرنے پر بھی پابندی عائد کر رکھی ہے۔ نماز کی ادائیگی کو گھروں تک محدود کیا جا چکا ہے بچوں کے لئے مذہبی تعلیم منع کر دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی نام رکھنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ حجاب کو پسماندگی اور انتہاء پسندی کی علامت قرار دے دیا گیا ہے یہاں تک کہ سکولوں میں طلبہ و طالبات کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بطور مسلمان عربی زبان میں ”السلام علیکم“ یا ”وعلیکم السلام“ بھی نہ کہیں۔ ایک حکومتی اہل کار کے بقول ”حکومت کے خیال میں یہ اسلامی الفاظ بھی علیحدگی پسندی کے مترادف ہیں اے ایف پی خبر رساں ایجنسی کے مطابق چین میں سنکیانگ کی اکثریتی مسلم آبادی اب ایک طرح کی پولیس اسٹیٹ“ اور ”اوپن ایئر جیل“ میں زندگی گزار رہی ہے۔

چینی حکام نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، حجاب کرنے، ڈاڑھی رکھنے، قرآن کریم پڑھنے، اسلامی نام رکھنے اور سلام کرنے تک کو انتہاء پسندی قرار دیتے ہیں اور عالمی سطح پر یہ تاثر دیتے ہیں کہ انہیں داخلی دہشت گردی کا سامنا ہے۔ جبکہ سنکیانگ سے ہجرت کرنے والے ایغور مسلمانوں کی بین الاقوامی تنظیم کے ترجمان دلشاد رشید کا کہنا ہے کہ ساری ذمہ داری ایغور مسلمانوں پر ڈالنے سے قبل چین کو اپنی داخلی پالیسیوں پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے کہ وہ کن طریقوں سے ایغور نسل، کلچر، زبان اور ان کے مذہب کو تباہ کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

واضح رہے کہ گزشتہ سال سنکیانگ میں چار سو پچاس سے زائد افراد ہلاک کئے گئے ان میں زیادہ تر تعداد اقلیتی ایغور مسلمانوں کی تھی جو بیجنگ حکومت سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سنکیانگ کی یہ صورت حال ہر دردمند مسلمان کو افسردہ اور مضطرب کر دینے والی ہے مگر افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ (۵۷) ستاون اسلامی ممالک کے حکمران اس مذہبی جبر اور غیر انسانی سلوک پر مہربل ہیں۔ اسلامی تنظیمیں اور مذہبی جماعتیں خاموش ہیں، انسانی حقوق کی تنظیموں اور آزادی فکر کے نعرے لگانے والوں کو بھی سانپ سونگھ گیا ہے، ہر طرف سکوت مرگ طاری ہے۔

کیا یہ کہنا بھی جرم ہے کہ چینی حکومت مسلمانوں کو ان کے دینی شعائر اور عبادات پر عمل کی اجازت دے، تمام شہریوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے اور سنکیانگ کے مسلمانوں کے انسانی حقوق بحال کرے۔ چین اور پاکستان کی قربتیں قابل لحاظ ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مظلوم کی مدد کے لئے آواز تک بلند نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ چینی مسلمانوں کی دستگیری فرمائیں اور خواب غفلت میں محو مسلمانوں کو بیداری نصیب فرمائیں۔ آمین

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فرمایا

ملفوظات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرسلہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب زید مجدہم، استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

ملفوظ: ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل جہاں جہاں اس جدید تعلیم کا اثر ہو گیا ہے، وہاں عورتوں کی حالت بھی بدلنے لگی ہے۔ مگر بھلا اللہ ان قصبات میں ابھی تک اکثر حیاء شرم والی ہیں بلکہ باہر پھرنے والی بھی اکثر عقیف ہوتی ہیں۔ واقعی اس نواح کی عورتیں حوریں ہیں جن کی شان میں آیا ہے فیهن قَصْرُ الطَّرْفِ کہ وہ ایسی ہوں گی کہ شوہروں کے سوا کسی مرد کی طرف نگاہ نہ اٹھائی ہوگی، یہاں کی عورتیں بھی ایسی عقیف ہیں، ان میں کافی حیاء اور شرم ہے۔

☆ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عقیقہ میں جو لڑکے اور لڑکی کے لئے جانور کی عدد کی قید ہے تو کیا یہ بھی قید ہے کہ لڑکی کے لئے مؤنث ہو اور لڑکے کے لئے مذکر ہو فرمایا کہ یہ قید نہیں۔ اور عدد کی قید بھی مستحب ہے واجب نہیں۔

☆ ایک صاحب کے جواب میں فرمایا کہ میں تو مولویوں پر اعتراض کرنے والوں میں بھی ایک خوبی ثابت کیا کرتا ہوں اور کہا کرتا ہوں کہ مولویوں کو یہ لوگ مقدس سمجھتے ہیں جب ہی تو تقدس کے خلاف پروا دے دیتے ہیں اور مولویوں کا بھی اس میں نفع ہے اس لئے اعتراض ہونا ہی اچھا ہے اسی اعتراض کی وجہ سے مولوی لوگ بچیں گے گو معترضین کی نیت یہ نہیں بلکہ اُن کے نزدیک تو خود آج کل مولوی ہونا جرم ہے ان کو مولویوں سے عناد ہے اُن سے عداوت کرتے ہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیوب چمکاتے ہیں۔

☆ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کے خادم واقعی خادم ہوتے ہیں اور امراء کے خادم خادم نہیں ہوتے محض اجیر اور خود غرض ہوتے ہیں، بزرگوں کے خادم خواہ بیوقوفی سے کچھ گڑ بڑ کر دیں مگر نیت فاسد نہیں ہوتی جو خدمت کرتے ہیں محبت سے کرتے ہیں۔

☆ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے اور ایک وہ جو کتب بینی سے مکتب ہوتی ہے اس دوسری قسم میں اُس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہیں ہوتی کوئی خاص رنگ پیدا نہیں ہوتا یہ لوگ ہر بات میں غلو کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

افادات شیخ العرب والعجم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا منظور احمد صاحب (استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان)

مرسلہ

بحوالہ معارف مدنی

احباب سے بے تکلفی اور خلوص:

سہارنپور ریلوے جنکشن ہے یہیں سے سب اطراف کو ٹرینیں چھوٹی ہیں۔ اس لئے عموماً ہر سفر میں حضرت مدنی ؒ کو سہارنپور سے گزرنا ہوتا تھا اور جس ٹرین سے آپ کو سفر کرنا ہوتا اگر اس کی روانگی میں ذرا بھی توقف ہوتا یا توقف پیدا کیا جاسکتا تو مدرسہ (مظاہر علوم) کو اپنی تشریف آوری سے ضرور نوازتے گویا یہ ادارہ بھی حضرت کے لیے بمنزلہ جنکشن تھا کہ وہاں قیام کئے بغیر آگے روانگی نہیں ہوتی تھی اور اس معاملہ میں وہ اس قدر بے لوث اور مخلصانہ وضع کے پابند تھے کہ جس کی مثال آج کے دور میں عنقا ہے۔ اس سلسلے کے بعض واقعات مشتمل نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کرتا ہوں:

رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہیں، طوفان برق و باراں کی شدت ہے۔ ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ اچانک حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم کی مطالعہ گاہ اور تصنیف و تالیف کے مخصوص کمرے سے ملحقہ زینے کے دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنے دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں کہ اس وقت کوئی نمایاں شخصیت ہی بے تکلفی کر سکتی ہے اور معاذ بن مولانا مدنی ؒ کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اور جب اٹھ کر دروازہ کھولتے ہیں تو وہ خیال حقیقت کی شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔ واقعی حضرت مدنی ؒ ہاتھ میں چھتری لئے ہوئے سامنے موجود ہیں اب جو گفتگو ہوتی ہے اس میں یگانگت و اختصاص کی وہ جھلک موجود ہے جس کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں۔ محترم میزبان فرماتے ہیں آخر ایسے میں آنے کی مصیبت کیا پڑی تھی؟ مہمان کی جانب سے جواب ارشاد ہوتا ہے کہ: ابھی دیوبند کی ٹرین سے اترا تھا، ٹانڈہ جانے کا عزم ہے۔ ابھی چونکہ گاڑی کی روانگی میں وقفہ تھا۔ اس لئے سوچا کہ مدرسہ ہو آؤں اور آپ سے ملاقات کر لوں۔

یہ واقعہ ان بے شمار واقعات میں سے ایک ہے جو ان کے احساس کرم، اخلاص و انتہائی تعلق کے آئینہ

(جاری ہے)

دارتھے۔

تقریب سعید افتتاح صحیح بخاری شریف

ضبط و ترتیب: ابوعمار فیاض احمد عثمانی (ناظم ماہنامہ الخیر ملتان)

وطن عزیز پاکستان اور عالم اسلام کی عظیم علمی، دینی و روحانی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے ۹۱ ویں تعلیمی سال کا باقاعدہ آغاز ۱۵ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۱۷ء بروز پیر بعد نماز مغرب جامعہ کے وسیع و عریض گراؤنڈ میں اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف کی پہلی حدیث کے درس سے ہوا۔ یہ سبق جامعہ کے مہتمم و شیخ الحدیث، ناظم اعلیٰ و فاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم نے پڑھایا۔

درس سے پہلے جامعہ کے کارکن مولانا حافظ شمس الحق جالندھری نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور جامعہ کے خوش خطی کے استاذ حافظ خورشید احمد شاد، حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم کے محافظ (گن مین) حافظ زاہد اقبال اور جامعہ کے فاضل و معروف نعت خواں مولانا امام دین تبسم نے نعتیہ کلام پیش کیا۔

بعد ازاں جامعہ خیر المدارس کے شعبہ دعوت والا رشاد کے رئیس مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب زید مجدہم نے ”سنت“ کی اہمیت و ضرورت پر جامع اور مختصر خطاب فرمایا۔ اُن کے بعد جامعہ کے شعبہ دارالافتاء کے رئیس حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب زید مجدہم نے ”علم نافع“ کی ضرورت اور اہمیت پر مختصر مگر پُر مغز خطاب فرمایا۔ ان کے بعد جامعہ کے ہر دلعزیز محبوب استاذ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا شبیر الحق صاحب کشمیری زید مجدہم نے اسی کا متمہ بیان فرمایا۔ جامعہ کے استاذ الحدیث، استاذ العلماء حضرت مولانا منظور احمد صاحب زید مجدہم نے بھی مختصر مگر پرنصائح ارشاد فرمائیں۔

بعد ازاں جامعہ کے استاذ حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب مدظلہم نے پُر سوز آواز میں قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اور ان کے بعد جامعہ کے رئیس و شیخ الحدیث استاذ العلماء حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم نے صحیح البخاری کی پہلی حدیث کا مفصل سبق پڑھایا۔ سبق کے بعد جامعہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد صاحب زید مجدہم نے مختصر دُعا فرمائی۔

نقابت کے فرائض جامعہ کے استاذ مفتی محمد عثمان سلمہ نے انجام دیئے۔ اور تقریب میں جامعہ کے تمام اساتذہ کرام، طلبہ عزیز، کارکنان، متعلقین اور اہل علاقہ نے بھرپور شرکت کی۔

درس بخاری شریف کے اہم اقتباسات پیش خدمت ہیں:

درس صحیح بخاری شریف (اقتباسات)

■ باب کیف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله

عز وجل الخ:

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد..... اَنَا
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلَى نُوحٍ وَ النَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ (الآية) وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

قابل صدا احترام حضرات اساتذہ کرام، بزرگان محترم، معزز مہمانان گرامی، قابل صدا احترام
حضرات علماء کرام، طلبہ عزیز، محترم و مکرم معلمات، عزیز طالبات اور برادران اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ

اہل سنت والجماعت اور وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان بلکہ عالم اسلام کی مشہور و معروف عظیم
علمی، دینی، تبلیغی و اصلاحی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان پاکستان کے ۹۱ ویں تعلیمی سال کے مقدس و مبارک
آغاز پر بتاریخ ۱۵ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۱۷ء بروز پیر بعد نماز مغرب ہم سب یہاں جمع
ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اُس کے فضل و کرم، بے پناہ عنایت و انعامات کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس کے فضل
و کرم سے جامعہ خیر المدارس نے اپنے جس تعلیمی سال کا آغاز آج سے ۹۰ سال پہلے جالندھر (بھارت) میں
کیا تھا اور ۱۹۴۷ء عیسوی میں پاکستان کے قیام کے بعد ملتان میں جامعہ کی نشاۃ ثانیہ کی تھی، اپنے تعلیمی سال
کے نوے سال مکمل کر کے آج ۹۱ ویں تعلیمی سال کا باقاعدہ آغاز کر رہا ہے۔ گویا خیر المدارس اپنے تعلیمی سال
کی صدی کے آخری عشرے میں داخل ہو رہا ہے۔ اور چند سال تک یہ اپنے ۱۰۰ سال مکمل کر لے گا۔ اللہ
پاک اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور تاقیامت اس کو آباد و درخشاں رکھیں۔ (آمین) یہ بانی جامعہ
استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ؒ اور اس کے وفات پا جانے والے اکابر اور موجود (بقید
حیات) اساتذہ کرام و کارکنان کی اخلاص، محنت اور محبت کا نتیجہ ہے۔

جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ گزشتہ سال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اساتذہ کرام کے خلوص و

محنت کے طفیل آپ کے اس جامعہ کے تین طلبہ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحانات میں ملکی سطح پر اور پانچ طلبہ نے صوبے کی سطح پر امتیازی پوزیشنیں حاصل کیں ہیں۔ دورہ حدیث شریف کے دو طلباء نے ملکی سطح پر پہلی اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ الحمد للہ اس سال طلبہ کی ایک بڑی تعداد ممتاز اور جید جداء کے درجات میں کامیاب ہوئی ہے۔ مقبول یا راسب طلبہ کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ سب بانی جامعہ کے اخلاص کا ہی نتیجہ ہے میں اپنے جامعہ کے تمام اساتذہ، کامیاب ہونے والے طلبہ، ان کے والدین، اعزہ واقارب، کارکنان، معاونین اور متعلقین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

■ صحیح بخاری شریف کی پہلی حدیث سے آغاز کا حق تو میرے اساتذہ کرام، بالخصوص بانی جامعہ کے بلا واسطہ شاگرد استاذ العلماء حضرت مولانا منظور احمد صاحب اور دیگر اکابر اساتذہ کرام کو ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمروں اور صحت میں برکت عطا فرمائیں اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ ان بزرگوں نے ہی مجھے آگے کیا ہے میں اپنا سبق سنانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات اُن کی

■ جامعہ خیر المدارس کی مسند حدیث بہت ہی عظمت و برکات کی حامل ہے، اس مسند پر استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ۛ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن کامپوری ۛ، شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری ۛ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب ۛ جلوہ افروز رہے۔ بلاشبہ وہ سب اس کے اہل تھے، میں صرف اس دُعا کے ساتھ آغاز کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے میرے اندر بھی یہ ہمت پیدا فرمادے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

■ آج کے سبق میں مجموعی طور پر چھ عنوان ہیں (۱) اپنے قدیم اور نئے طلباء کو اھلاً وسھلاً و مرحباً کہنا اور فضیلت علم دین کی طرف متوجہ کرنا (۲) علم دین اور بالخصوص علم حدیث کی اہمیت (۳) امام بخاری ۛ کا مقام، مرتبہ اور شخصیت (۴) صحیح بخاری کا مقام، مرتبہ اور اہمیت (۵) سبق کی پہلی حدیث کی ابتدائی چند گزارشات (۶) ہم طلبہ جو یہاں آئے ہیں اور جس مقصد کے لئے آئے ہیں وہ مقصد کیسے حاصل ہوگا۔ اس پر بات ہوگی ان شاء اللہ۔

■ آج صرف بخاری شریف کا ہی آغاز نہیں ہو رہا بلکہ جامعہ کے تمام تعلیمی شعبوں کا آج باقاعدہ

اور باضابطہ آغاز بھی ہو رہا ہے (درجہ حفظ کی پڑھائی ۹ شوال المکرم سے شروع ہو چکی ہے)۔

دینی مدارس کا آغاز شوال میں کیوں ہوتا ہے؟

ہمارے اکابر و اسلاف برصغیر میں دینی مدارس کے تعلیمی سال کا آغاز شوال المکرم کے مہینے میں کیوں کرتے ہیں؟ محرم الحرام سے آغاز کیوں نہیں کرتے حالانکہ اسلامی سال کا آغاز اسی مہینے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ربیع الاول میں آغاز کیوں نہیں کرتے حالانکہ اس میں خلاصہ کائنات، معلم کائنات، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ اسی طرح ماہِ رجب المرجب میں جس میں معراج ہوئی اور نمازیں فرض ہوئیں، آغاز کیوں نہیں ہوتا۔ تین چار دن سے میں سوچ رہا تھا کہ شوال المکرم کی کون سی خصوصیت اور وجہ ہے کہ جس کی وجہ سے شوال میں آغاز کیا جاتا ہے؟..... میرے ذہن میں اس کی چند وجوہ آئیں اگر صحیح ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوں تو میری طرف اس کی نسبت کی جائے۔

(۱)..... مجھے اس کی ایک وجہ یہ معلوم ہوئی کہ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جب ختم ہوا کہ جس میں دن رات مسلمان عبادت میں مصروف رہے، دن کو روزہ رکھا، قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہے، رات کو تراویح پڑھیں، تہجد پڑھی اور انسان گناہوں سے پاک صاف ہو گیا تو ہمارے اکابر و اسلاف نے سوچا کہ جب اس کا ظاہر اور باطن پاک ہو گیا ہے اور قرآن پاک سے تعلق جڑ گیا ہے تو اب بلاتا خیر قرآن کا حافظ، قاری اور عالم بننا چاہیے۔ تو مدارس میں داخل ہونے کے لئے رمضان کی صفائی ملی، گناہوں سے صاف ہو گیا اب اس کے لئے جنت میں داخلے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، لہذا مدارس کی ابتداء اسی مہینے میں کی جائے۔ کیونکہ مدارس کا راستہ جنت کا راستہ ہے۔

(۲)..... رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے اس ماہ دیگر گیارہ مہینوں کی نسبت زیادہ تلاوت ہوتی ہے علماء، قراء اور حفاظ کے علاوہ ہر طبقے کے لوگ قرآن پڑھنے اور سننے میں مشغول رہتے ہیں۔ تراویح میں، نوافل میں، شبینوں میں اور عام اوقات میں قرآن کثرت سے پڑھا اور سنا گیا، تو اس سے قرآن پاک کو یاد کرنے اور پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، اس کی تکمیل کی خاطر رمضان المبارک کے فوراً بعد مدارس میں تعلیم کا آغاز کیا جاتا ہے، تاکہ یہ شوق کمزور نہ پڑے۔

(۳)..... تیسری مناسبت میرے ذہن میں یہ آئی کہ رمضان المبارک میں عمل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو پورا ماہ دن رات عبادت میں مشغول رہے، تو گویا یہ عمل کا مہینہ تھا اور عمل کے لیے علم درکار ہے تو رمضان

کے فوراً بعد مدارس میں قرآن و سنت کی تعلیم شروع کر دی گئی، اس طرح آج کل مدارس میں خوب بہار آئی ہوئی ہے اور مدارس کی رونق یہ طلبہ ہیں، عمارتوں اور بجلیوں سے رونق اور بہار نہیں آتی جیسا کہ استاذ محترم حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور اللہ کے پسندیدہ لوگ ہو کہ اللہ پاک نے آپ کو ۲۴، ۲۵ کروڑ انسانوں میں سے چن کر قرآن پاک، حدیث شریف اور علوم نبوت حاصل کرنے کے لئے ان مدارس میں بھیجا ہے۔ تمام انبیاء کرام □ بالخصوص امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کی منتخب کردہ شخصیت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں سے آپ کو چن کر اپنے چنے ہوئے مقدس لوگوں (حضرات انبیاء کرام □) کی صفوں میں کھڑا کر دیا۔ ہر پیغمبر اللہ تعالیٰ کا چنا ہوا ہے، لیکن کسی پیغمبر کا لقب ”مصطفیٰ“ نہیں ہے، یہ صرف حضور ﷺ کا لقب ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک اور دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے بھی ”اصطفیٰ“ کا لفظ بولا ہے۔ یہ بہت بڑی نسبت ہے، ارشاد فرمایا: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا لَهُمْ نَافَعًا وَمِنْهَا فَرَادٌ مُّقْتَصِدٌ وَنَجَاتٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ جنہیں ہم نے چنا۔

(ب) دوسرا اعزاز: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ علم دین کے راستے پر چلنے والا جنت کے راستے پر چل رہا ہے۔ ہم سب لوگ مسافر جنت ہیں اور جنت کی شاہ راہ پر ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ مدارس کی ڈگری جنت کی ڈگری ہے، تمام درجات کے طلبہ ان شاء اللہ اگر وہ اس کی قدر کریں گے اور عمل کریں گے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ جنت کی یہ ڈگری حاصل کر کے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ ابھی آزاد کشمیر کے سفر میں ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے مدارس کی ڈگریوں (اسناد) کی کیا حیثیت ہے۔ اس سے کون سی نوکری ملے گی، تو میں نے کہا کہ ہمیں ان نوکریوں کی ضرورت نہیں ہے ہماری یہ ڈگری جنت کی ڈگری ہے اور ان شاء اللہ اس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہوں گے۔ ہمارے تمام اکابر جو اس وقت جنت میں ہیں ان کے پاس کوئی ڈگریاں تھیں؟ صرف قرآن و سنت کی ڈگری تھی۔ یہ خالق جنت یعنی اللہ تعالیٰ کی ملاقات و زیارت کی ڈگری ہے۔

علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس علم کی قیمت اللہ تعالیٰ خود ہیں، اللہ کی رضا ملے گی، ذات خداوندی سے تعلق قائم ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ یعنی عالم ربانی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق مل گیا، اس علم دین کی قیمت دنیا کے خزانے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک انعام یہ بھی ہونے والا ہے کہ آپ انبیاء کرام □ اور حضور نبی کریم ﷺ کے حقیقی وارث بنے آئے ہیں، اِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ اِنِ مَدَارِسُ مِثْلِ اِنْبِيَاءِ كَرَامِ □ بالخصوص نبی کریم ﷺ کی وراثت ملے گی اس کی قدر کرنا، اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو جس عظیم نعمت اور سلسلۃ الذہب سے جوڑا ہے اگر ساری زندگی سجدہ شکر میں گزار دیں تو اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا، فرشتے جن کے پاؤں کے نیچے برکت کے لئے پَر بچھاتے ہیں فضاء میں پرندے، سمندر اور دریاؤں میں مچھلیاں اور زمین پر چوئیٹیاں بھی آپ کے لئے دعائیں کرتی ہیں۔

■ بڑھتی ہوئی آبادی کے حساب سے اگر دیکھا جائے تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے مدارس میں طلبہ کی تعداد میں اُس تناسب سے اضافہ نہیں ہو رہا، افسوس کہ ہماری اس موجودہ مردم شماری میں حافظ قرآن اور عالم دین کو نعوذ باللہ ”جاہل“ لکھا گیا ہے، یہ تو قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ عالم کون ہے اور جاہل کون ہے؟ پاکستان کی پہلی مردم شماری میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ جیسی عظیم شخصیت کو نعوذ باللہ جاہل لکھا گیا، حقیقت یہ ہے کہ ان کو جاہل لکھنے والے خود جاہل ہیں، غیر تو غیر اپنے (حکمران) بھی نعوذ باللہ قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کو جاہل کہہ رہے ہیں، آج کے حکمرانوں نے ان علماء، قراء، حفاظ اور نیک لوگوں کو فوٹو تھ شیڈول میں ڈالا، ان کو دہشت گرد کہا، اللہ کے ان منتخب کیے ہوئے نیک لوگوں کی کردار کشی کی، میں کہتا ہوں کہ آج بھی وقت ہے کہ توبہ کرو، ان پر جھوٹے مقدمات نہ بناؤ، ان کو تنگ نہ کرو، ورنہ تم خود ذلیل و تنگ ہو گے۔

پرویز مشرف نے اپنے دور میں تنگ کیا تو وہ معافیاں مانگ کر باہر چلا گیا، آج وہ پاکستان نہیں آ سکتا، اور ان موجودہ حکمرانوں نے راتوں کو لڑکیوں کے مدارس میں مردانہ پولیس کے ساتھ چھاپے مارے، چادر چار دیواری کا تقدس پامال کیا، اُن کی بے حرمتی کی، آج ان کی بیٹی عدالتوں میں ذلیل ہو رہی ہے، پیشیاں بھگت رہی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ ہماری بیٹیوں کی عزت نہیں کی جا رہی حالانکہ یہ سب مکافاتِ عمل ہے، اب بھی وقت ہے کہ توبہ کرلو۔

■ دوسری بات: علم حدیث سے آغاز کی وجہ:

تمام علوم میں سب سے افضل و اعلیٰ حضور ﷺ کی حدیث کا علم ہے، جس سے آج ہمارے تعلیمی

سال کا آغاز ہو رہا ہے، علم تفسیر کے علاوہ تمام علوم سے علم حدیث افضل ہے، بعض حضرات نے تو علم تفسیر سے بھی افضل کہا ہے، کیونکہ حدیث بھی قرآن کی تشریح ہی تو ہے، قرآن بھی وحی الہی ہے اور حدیث بھی وحی الہی ہے، قرآن جس ذات نے جس ہستی پر اتارا، حدیث بھی تو اُسی ہستی کے قول، فعل، تقریر اور صفت کا نام ہے، صحیح بخاری بھی حدیث کی کتاب ہے۔ بسا اوقات جو وحی فرشتہ لاتا اُس کے الفاظ اور معانی سب اللہ کی طرف سے ہوتے تھے اور وہ مراد بھی اللہ کی طرف سے ہوتی تھی۔ گویا اُس کے متکلم اللہ تعالیٰ خود ہیں تو وہ قرآن کہلایا، قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام ہے۔ فرمایا: لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ اس سے مراد الفاظ قرآن ہیں پھر فرمایا: اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ یعنی اس کا مطلب، معنی اور تشریح بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اور ایک وحی کی صورت یہ تھی کہ حضرت جبرائیل ﷺ اللہ تعالیٰ کی مراد لے کر آتے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں۔ البتہ الفاظ حضور ﷺ کے اپنے ہوتے تھے اور چونکہ پیغمبر اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کچھ نہیں بولتے جیسا کہ فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ تُوِيَّ ”حدیث“ کہلائی۔

الحاصل: ”حدیث“ مفہوم اللہ کا ہوتا ہے اور الفاظ حضور ﷺ کے ہوتے ہیں۔ قرآن وحی متلو ہے اس کی نماز میں تلاوت کی جائے گی، اور حدیث وحی غیر متلو ہے جس کی تلاوت نماز میں جائز نہیں ہے، لہذا حدیث کا انکار کرنے والے درحقیقت قرآن کے منکر ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلا باب باب کیف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله عز وجل قائم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ حدیث بھی وحی الہی ہے۔

حدیث کی تعریف:

مَا نُسِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلًا وَفِعْلًا وَتَقْرِيرًا وَصِفَةً لِّعَنَى میرے نبی کی ہر بات، فعل حتی کہ میرے نبی کی ساری زندگی کا نام ”حدیث“ ہے۔ حدیث کی اصطلاح میں ”تقریر“ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی بات کی یا کوئی کام کیا اور آپ ﷺ اس پر خاموش رہے تو اس کو ”تقریر“ کہتے ہیں گویا اردو زبان میں بولنے کا نام ”تقریر“ ہے اور حدیث کی اصطلاح میں خاموش رہنے کا نام ”تقریر“ ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کا بولنا حدیث ہے، فعل حدیث ہے، اسی طرح خاموش رہنا بھی حدیث ہے۔

یاد رکھنا! پیغمبر ﷺ کی خاموشی تو شرعی دلیل ہے البتہ کسی اور کی خاموشی دلیل شرعی نہیں ہے، منصب نبوت و رسالت کتنی عظمت والا ہے کہ نبی کی خاموشی بھی دلیل شرعی ہوتی ہے، کیونکہ پیغمبر کسی غلط بات

پر ہرگز خاموش نہیں رہ سکتا۔ بڑے سے بڑا پیر اور عالم تو کسی نہ کسی مصلحت، دباؤ، خوف، ڈریالچ کی وجہ سے خاموش رہ سکتا ہے جیسا کہ آج کل اس زمانے میں پیر، مفتی اور علماء اپنے مالدار مریدوں، حکمرانوں اور تعلق والوں کی غلط بات یا فعل پر خاموش رہ جاتے ہیں، مثلاً قل خوانی، جنازے کے بعد کی دعا وغیرہ امور میں بعض اوقات ہم کسی مصلحت کی وجہ سے شریک ہو جاتے ہیں مگر اللہ کا پیغمبر کسی بھی غیر شرعی بات پر قطعاً خاموش نہیں رہ سکتا۔ صحابہ کرام ﷺ فرماتے تھے کُنَّا نَعْمَلُ وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ ہم فلاں کام کرتے تھے اس حال میں کہ حضور ﷺ ہم میں موجود ہوتے تھے، (تو آپ ﷺ کی یہ خاموشی اُس کام کے جائز ہونے کی دلیل ہوتی تھی) ورنہ پیغمبر خاموش نہیں رہ سکتا جیسا کہ سورۃ کہف کے اندر حضرت موسیٰ ﷺ اور خضر ﷺ کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے (حضرت موسیٰ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر تھے اور حضرت خضر ﷺ راجح قول کے مطابق پیغمبر نہیں تھے)

واقعہ:-

حضرت موسیٰ ﷺ نے حضرت خضر ﷺ سے درخواست کی کہ وہ سفر کے اندر انہیں اپنے ساتھ رکھیں تو حضرت خضر ﷺ نے یہ شرط لگائی کہ میں اس شرط پر آپ کو اپنے ساتھ رکھوں گا کہ میں جو کام بھی کروں آپ نے اُس کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں کرنا یہاں تک کہ میں خود اُس کی وجہ بیان کر دوں۔

لطیفہ:-

اس مفصل واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مدارس دینیہ میں داخلے کے لئے کچھ شرائط لگائی جاتی ہیں تو ان شرائط کی شرعاً اجازت ہے، اگر ان شرائط کی خلاف ورزی کی جائے تو ایک دو مرتبہ معاف کر دینا چاہیے اور طلبہ کو معافی بھی مانگنی چاہیے اور اساتذہ کو معاف کر دینا چاہیے، تاہم تیسری مرتبہ خلاف ورزی کرنے پر ”خراج“ جائز معلوم ہوتا ہے۔

حدیث کا مفہوم:-

حضرات محدثین کے نزدیک حضور ﷺ کا قول، فعل، تقریر اور صفت (یعنی آپ ﷺ کے جسم مبارک کے اعضاء کا ذکر) بھی حدیث ہے، البتہ فقہاء کے نزدیک ”صفت رسول ﷺ“ حدیث نہیں ہے۔

■ تیسری بات:

امام بخاری رحمہ اللہ ۱۳ شوال المکرم ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا، کل عمر تقریباً ۶۲ سال تھی..... امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اعزاز دیا کہ اُن کی کتاب صحیح بخاری کو تلقی بالقبول

حاصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ عجی ہیں اور بخارا کے رہنے والے ہیں، آپ کے سامنے تو علماء عرب کا سر بھی جھک گیا، اور آپ کی صحیح بخاری کے ”اصح الکتاب بعد کتاب اللہ“ ہونے پر علمائے عرب و عجم کا اجماع ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو پیدا ہی حدیث اور سنت رسول کی حفاظت کے لئے کیا تھا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ پیدا ہی قرآن پاک کی خدمت کے لئے کیا تھا..... امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے وضو کیا، غسل کیا، استنارہ کیا، دو رکعت نماز پڑھ کر دُعا کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا تو پھر حدیث لکھی۔

ایک نکتہ:-

اصح الکتاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری صحیح احادیث صرف بخاری شریف میں جمع ہو گئی ہیں باقی حدیث کی کتب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، کیونکہ صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور ابوداؤد شریف وغیرہ کتب حدیث میں بھی صحیح احادیث موجود ہیں۔

■ امام بخاری رحمہ اللہ کے درس حدیث کی ایک بھلک:

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک ہزار اسی اساتذہ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا اور یہ حضرات محدثین صرف ایک جگہ پر نہیں رہتے تھے بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دور دراز علاقوں میں پیدل چل کر اور مجاہدے والے سفر کیے اور اس طرح یہ ذخیرہ احادیث ”صحیح بخاری“ کی شکل میں جمع کیا۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ جب اپنے شہر بخارا میں حدیث کا درس دیتے تھے تو پچاس ہزار تک طلبہ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

■ امام بخاری رحمہ اللہ پہلی حدیث لائے ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ کہ عمل کی قبولیت کا دار و مدار عمل کرنے والے کی شکل اور صورت پر نہیں بلکہ اُس کی نیت اور اخلاص پر ہے، عمل کرنے والا کیسا ہی کیوں نہ ہو اگر اُس کی نیت صحیح ہے تو اُس کو اُس کا پورا ثواب ملے گا۔ ریا کاری اور دکھلاوے کا جہاد، سخاوت، علم دین اور قرآن کریم کی تعلیم جنت میں داخلے کا ذریعہ نہیں بلکہ جہنم کے بھڑکانے کا ذریعہ بنیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ سب سے پہلے ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ والی حدیث لاکر ہمیں یہ سبق دے گئے کہ پڑھنے اور پڑھانے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرلو۔

■ آخر میں فرمایا کہ وقت بہت ہو چکا ہے حدیث کی اقسام، صحیح بخاری کی خصوصیات اور امام بخاری رحمہ اللہ کے مفصل حالات ان شاء اللہ اسباق کے اندر تفصیل سے بیان کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث اور سنت کو سمجھ کر پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

پانامہ کیس سے متعلق جے آئی ٹی کی رپورٹ..... عبرت کے چند پہلو

﴿ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ﴾

ماہ رفتہ میں پاکستان میں سب سے اہم موضوع جو زیر بحث رہا اور اب بھی ہے وہ پانامہ کیس کے حوالہ سے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف اور ان کے خاندان کے مالی معاملات کی تفتیش و تحقیق، عدالتی سماعت، دو ماہ کی مسلسل تفتیش کے بعد سپریم کورٹ میں پیش کی جانے والی رپورٹ، اس پر جرح اور اس پر محفوظ کیا جانے والا فیصلہ ہے۔ یہ رپورٹ ہوشربا بھی ہے اور چشم کشا بھی۔ ذرائع ابلاغ میں آنے والی خبروں سے عمومی تاثر یہی ابھرتا ہے کہ وزیراعظم کا خاندان اپنے اثاثوں کو قانونی ثابت کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ مالیاتی دستاویزات میں رد و بدل کیا گیا ہے، اس سلسلے میں بعض سرکاری افسران کے نام بھی سامنے آئے ہیں۔ جے آئی ٹی نے اس سلسلے میں سپریم کورٹ سے سفارش کی ہے کہ وزیراعظم کے خاندان کے خلاف نیب میں ریفرنس دائر کیا جائے۔ (بحوالہ: روزنامہ، نوائے وقت، جنگ)

قبل ازیں اسی کیس کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بینچ نے ۲۰ اپریل ۲۰۱۷ء کو فیصلہ سنایا تو اس فیصلے میں بینچ کے سربراہ جسٹس آصف سعید کھوسہ کے اختلافی نوٹ میں ایک جملہ کی گونج کئی روز تک فضاؤں میں موجود رہی تھی اور آج بھی سنائی دے رہی ہے، وہ جملہ یہ تھا:

”ہر عظیم کامیابی کے پیچھے ایک جرم چھپا ہوتا ہے۔“

اگرچہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے مگر جے آئی ٹی کی اس رپورٹ نے وزیراعظم کے مخالفین کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ ان کے مستعفی ہونے کا مطالبہ مزید شدت اور بلند آہنگی سے کر سکیں۔ یہ معاملہ چونکہ ابھی عدالت میں ہے، ان سطور میں سر دست اس بارے کچھ نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ ہم اس پر مزید کچھ عرض کرنے کی بجائے چند دیگر پہلوؤں کی جانب توجہ دلانا چاہیں گے:

☆..... محترم وزیراعظم اس وقت ایک ابتلاء سے گزر رہے ہیں اس موقع پر طعن و تشنیع یا طنز و شتمات مناسب نہیں مگر حقیقت ہے کہ ملک کے دینی حلقوں بالخصوص اہل مدارس کو ان کی بہت سے پالیسیوں سے نہ صرف اختلاف ہے بلکہ وہ ان پالیسیوں کی وجہ سے ناکردہ گناہوں کی سزائیں بھگت رہے ہیں۔ محترم وزیراعظم کے دور اقتدار میں نیشنل ایکشن پلان کے تحت پنجاب پولیس کے ذریعے مدارس

کے تقدس کو پامال کیا گیا۔ ان پردہشت گردی کا جھوٹا الزام لگایا گیا، دینی مدارس کے معاونین کو ہراساں کیا گیا، بلا جواز چھاپوں کے ذریعے معصوم طلبہ اور بزرگ اساتذہ کو ہراساں کیا گیا، گوشہ نشین اور معمر مشائخ حدیث اور علماء کرام کے نام فورتھ شیڈول میں ڈال کر انہیں بدنام اور خوفزدہ کیا گیا، بنات کے مدارس پر چھاپے مار کر قوم کی عفت مآب بیٹیوں کی ردائے تقدس کی بے حرمتی کی گئی، افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ ابھی تک اس سلسلہ کے رکنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

وزیراعظم جس آزمائش سے گزر رہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ وہ گہرے غور و فکر سے اس امر کا جائزہ لیں کہ کہیں ان کے احکام اور پالیسیوں کی بدولت کوئی بے گناہ تو اذیت سے دوچار نہیں، کہیں بے قصوروں پردہشت گردی کا الزام لگا کر ان کی زندگیوں کے چراغ تو گل نہیں کیے جا رہے، قرآن و سنت اور امن کی تعلیم دینے والے مدارس کی توہین و تضحیک تو نہیں ہو رہی، علماء و مشائخ کی پکڑیوں پر تو ہاتھ نہیں ڈالا جا رہا ہے۔ اگر وہ اس پہلو پر سوچتے اور بے انصافیوں کا سد باب کرتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔

کاش کہ اس عبرت ناک ماحول سے ہمارے سابق، موجودہ اور آئندہ حکمران عبرت پکڑیں۔ اللہ کی لٹھی جب حرکت میں آتی ہے تو یہ قوت و اقتدار دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ پھر نہ جاہ و چشم کام آتا ہے، نہ ہٹو بچو کی صدائیں ذلت و رسوائی روکنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے، آخرت کی پکڑ اس کے سوا ہے۔

☆..... اقتدار و حکومت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے، اس امانت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب اقتدار مٹھی میں اور اختیار جیب میں ہو، پوری حکومتی مشینری حکمرانوں کے اشارہ ابرو پر چلنے کے لیے تیار ہو تو انسان بسا اوقات بہت سی بے قاعدگیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پاکستانی حکمرانوں کے بارے میں یہ داستانیں معروف ہیں کہ انہوں نے ملکی اور قومی وسائل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے۔ حسب استطاعت بیرون ممالک بینکوں کی تجوریاں بھری اور مہنگی ترین جائیدادیں بنائی ہیں۔ یہ تمام پیسہ کہاں سے آیا؟ اپنی جگہ اہم سوال ہے اور اس سوال کا جواب تلاش کیا جانا چاہیے۔ کرپشن، بدعنوانی، رشوت خوری اور اقرباء پروری کا خاتمہ ہر پاکستانی کے دل کی آواز ہے۔ کوئی بھی محب وطن اس باب میں دوسری رائے نہیں رکھتا۔ وہ ہر طرف سے مایوس ہے اور اعلیٰ عدلیہ کی طرف امید کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ پاکستان کی عدلیہ کو خراج تحسین پیش کیا جانا چاہیے کہ وہ کسی دباؤ میں آئے بغیر اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے ہے، البتہ ہم یہ بات ضرور عرض کریں گے کہ اب جبکہ اس کام کا آغاز ہوا ہے تو اسے محض ایک خاندان کے معاملات تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ دیگر نامی گرامی سیاستدانوں تک اس کا دائرہ پھیلا نا چاہیے۔

☆..... موجودہ صورت حال میں پوری قوم کے لیے بھی غور و فکر اور عبرت کا مقام ہے، ہمیں خشیت
 مجموعی سوچنا ہوگا کہ کیا ہم ہر انتخاب کے موقع پر ایسے ہی لوگوں کو ووٹ دے کر مسند اقتدار پر بٹھاتے
 رہیں گے جن سے ہم بارہا ڈسے جا چکے ہیں یا وہ ایسے لوگ ہیں جن کا ”حال“ ان کے ”مستقبل“ کی نشاندہی
 کر رہا ہے ہم عارضی فوائد اور وقتی مفادات کی وجہ سے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ووٹ ایک امانت
 ہے اور اس کے اہل نیک، صالح، باکردار اور صادق و امین افراد ہیں اگر ہم نے نیک، صالح اور باکردار افراد
 کو اقتدار کے ایوانوں میں بھیجا ہوتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔ اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے
 کہ اس ملک کا امن و امان، استحکام اور ترقی اسلامی نظام کے نفاذ سے وابستہ ہے۔ جب تک ہم بحیث المجموع
 اس نکتے کو نہیں سمجھیں گے تب تک صورت حال جوں کی توں رہے گی..... اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم نصیب
 فرمائے، آمین یا رب العالمین!

(قسط نمبر ۴)

فرائض نبوت

تحریر: مولانا حافظ خلیل الرحمن صاحب راشدی (چنوں موم، سیالکوٹ) ◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

تزکیہ نفس کی چوتھی بنیاد تواضع ہے اور اُسے گرانے والی چیز تکبر ہے۔

تواضع کا مفہوم:

تواضع..... وضع سے ہے جس کے معنی نیچے رکھنے کے ہیں اور اس کی ضد ”تکبر“ ہے جس کے معنی خود کو دوسروں کے مقابلے میں بلند مرتبہ تصور کرنے کے ہیں۔ جو شخص بلند مرتبہ ہونے کے باوجود خود کو دوسروں سے کم مرتبہ اور پست خیال کرے، اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دے اور ان کی عزت و توقیر کرے وہ ”متواضع“ کہلاتا ہے اور اس فکر و عمل کا نام تواضع ہے صفت تواضع لائق تحسین اور تکبر باعث نفیر ہے۔

معلم انسانیت ﷺ کو تواضع کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو اہل ایمان سے تواضع کا سلوک کرنے کا حکم دیتے

ہوئے فرمایا:

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء: ۲۱۵)

”(اے محبوب ﷺ) اپنے رحمت بھرے بازو ان لوگوں کے لئے جھکا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی کی مسلمانوں میں سے“

اس آیت مجیدہ میں حضور اقدس ﷺ کو مسلمانوں سے تواضع کے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ آپ ﷺ میں تواضع اور انکساری نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ امت پر تواضع کی اہمیت و عظمت واضح ہو جائے کہ جب آقا ﷺ کو تواضع سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے تو غلاموں کے لئے تواضع کا مظاہرہ کرنا بدرجہ اولیٰ اہمیت رکھتا ہے اور اس لئے بھی حکم دیا گیا ہے کہ تواضع جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو وہاں حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی پیاری اور دلکش ادا اور سنت بھی ہے۔

اپنا سامان خود اٹھایا:

حضرت ابو ہریرہ ♦ کا بیان ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بازار گیا۔ آپ ﷺ نے

چار درہم کے بدلے شلووار خریدی اور دکاندار سے فرمایا: خوب اچھی طرح وزن کرو، وہ آپ ﷺ کو جانتا نہیں تھا۔ میں نے جب اسے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر کہ تو اپنے نبی ﷺ کو نہیں پہچانتا؟ تو وہ فی الفور کھڑا ہو گیا اور آپ ﷺ کے مقدس اور نورانی ہاتھ کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھا۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ کھینچ لیا اور (ازراہ تواضع) فرمایا: ”یہ عجمی لوگوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تم میں سے ایک شخص ہوں“۔ جب آپ ﷺ شلووار خرید کر واپس تشریف لانے لگے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اٹھالیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”سامان کے مالک کو چاہیے کہ وہ اپنا سامان خود اٹھائے۔ البتہ اگر وہ کمزور و ناتواں ہو اور سامان نہ اٹھا سکے تو پھر اس کی مدد کی جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سامان خود اٹھالیا۔ (مدارج النبوة)

عن عمر قال وهو على المنبر يا ايها الناس تواضعوا فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تواضع لله رفعه الله فهو في نفسه صغير وفي اعين الناس عظيم ومن تكبر وضعه الله فهو في اعين الناس صغير وفي نفسه كبير حتى لهو اهون عليهم من كلب او خنزير (مشکوٰۃ)

حضرت عمر ♦ نے فرمایا جبکہ آپ منبر پر جلوہ گر تھے: ”اے لوگو! تواضع اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے بلند فرمادیتا ہے وہ اگرچہ فی نفسہ چھوٹا ہو لیکن لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو تکبر کرے اللہ تعالیٰ اُسے گرا دیتا ہے، وہ لوگوں کی نظروں میں چھوٹا ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ فی نفسہ بڑا ہو، یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بھی ذلیل ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ و بیہقی)

اس میں کوئی شک نہیں جس نے عاجزی اختیار کی اُسے بلندی نصیب ہوئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پستیوں سے اٹھا کر اوج ثریا جیسی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا اور جس نے تکبر کو شعار بنایا اُسے ذلت و پستی ملی، اُسے اللہ تعالیٰ نے بلندیوں سے گرا کر پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈال دیا جیسا کہ شیطان لعین نے تکبر کی روش اپنائی تو ذلت و رسوائی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا مقدر بن گئی۔

تکبر عزایل را خوار کرد بزدان لعنت گرفتار کرد

تواضع اللہ کے خاص بندوں کا خاص وصف:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں اپنے خاص بندوں کے اوصاف حمیدہ اور ان کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے تو وہاں سرفہرست ان کی صفت تواضع اور فروتنی کا بیان فرمایا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا
”اور رحمن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ انداز میں) بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں (ہمارا) سلام ہو“۔ (فرقان ۶۳)

اس آیت مجیدہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور مقرب بندے وہ ہیں جو عاجزی اور انکساری کے پیکر بن کر رہتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے رب کے حضور عاجزی اور بندگی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اس کے بندوں سے بھی ان کا تواضع سے بھرپور سلوک ہوتا ہے نہ ان کی رفتار میں تکبر و غرور ہوتا ہے اور نہ ہی گفتار میں۔ گویا کہ ان کی زندگی تواضع اور خاکساری کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

میں بادشاہ نہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود ♦ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے فتح مکہ کے دن ایک شخص نے گفتگو کی تو وہ (آپ کے قدرتی رعب سے) کاچنے لگا۔ حضور سید عالم ﷺ نے اس کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:
”گھبراؤ نہیں، تسلی رکھو، میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تو قریش کی ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ (بیہقی، الشفاء)

سبحان اللہ! حضور سید عالم ﷺ کی کتنی بڑی تواضع اور انکساری ہے کہ آپ ﷺ مرعوب شخص کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کیوں ڈرتے ہو؟ ڈرتا تو انسان کسی جابر بادشاہ سے ہے۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں میں قریش کی ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھاتی تھی۔ جہاں تک حضور سید عالم ﷺ سے مرعوب ہونے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے سیدنا علی ♦ کا بیان ہے:

جو شخص حضور اقدس ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جو پہچان کر میل جول کرتا وہ آپ کو محبوب بنا لیتا۔ (شمال ترمذی)

حضرت جابر ♦ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہو جانے والے رعب سے مدد کی گئی“۔ (بخاری)

تواضع سر بلندی کا باعث:

حضرت ابو ہریرہ ♦ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔ (بلکہ بڑھاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کی عزت و توقیر میں اضافہ فرماتا ہے اور جو کوئی اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے سر بلند فرماتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید ♦ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ایک درجہ تواضع اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے ایک درجہ بلند کرے گا۔ اور جو ایک درجہ تکبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے ایک درجہ نیچے گرائے گا، یہاں تک کہ اُسے اسفل السافلین میں پہنچا دے گا۔“ (ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس ♦ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ساتویں تک (یعنی ساتویں آسمان کی بلندی جتنا) بلند فرماتا ہے۔ (مکارم اخلاق از خرائطی)

حضرت ابو ہریرہ ♦ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جس نے میرے حق کے لئے نرمی کی میرے لئے تواضع کی اُس نے میری زمین میں تکبر نہیں کیا میں اس کو بلندی عطا کروں گا، یہاں تک کہ اُسے مقام علیین میں کر دوں گا۔“ (کنز العمال بحوالہ ابو نعیم)

تواضع کرنے والے بے خوف ہوں گے:

حضرت ابی بن کعب ♦ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دُنیا میں تکبر سے سراٹھایا، اللہ تعالیٰ اُسے قیامت میں ذلیل و خوار کرے گا، جس نے دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ایک فرشتہ بھیجے گا جو اسے انسانوں کے جم غفیر سے الگ کرے گا اور اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہے گا: ”اے اللہ کے نیک بندے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری طرف آ، بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے، جن پر خوف ہے نہ غم۔“ (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر ۵۶)

☆.....☆.....☆.....☆

روضہ اطہر کی زیارت میں روضہ پاک کی نیت اور وسیلہ کا مسئلہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور اکاڑی صاحب مدظلہ

قارئین کرام اکابرین اہلسنت والجماعت علماء دیوبند کو وہابی قرار دینے کے لئے جوان پر الزامات لگائے گئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہ لوگ روضہ اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر کو ناجائز کہتے ہیں اور بخاری شریف کی حدیث لا تشد الرحال والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو ۱۳۲۵ھ میں علمائے حرین شریفین کے جو سوالات علمائے دیوبند کے نام آئے ان میں سب سے پہلا اور دوسرا سوال یہ تھا کہ (۱) سیدالکائنات علیہ افضل الصلوٰات والتحیات علی الہ وصحبہ کی زیارت کے لئے شد رحال کے بارہ میں تمہارا کیا قول ہے، (۲) تمہارے اور تمہارے اکابر کے نزدیک روضہ اطہر کی زیارت کرنے والے کے لیے زیادہ پسندیدہ اور افضل بات کیا ہے کہ وہ زیارت کے سفر کے وقت حضور ﷺ کی زیارت کی نیت کرے یا مسجد نبوی کی وہابیہ کہتے ہیں کہ مدینہ کا سفر کرنے والا صرف مسجد نبوی ہی کی نیت کرے (عقائد علمائے دیوبند ص ۲۹، ۲۸) اس کے جواب میں فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے ایک قیمتی تہید کے بعد جو جواب دیا وہ یہ ہے:

توضیح جواب: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک سید المرسلین (جن پر میری روح فدا ہو) کی زیارت عظیم عبادت اور انتہائی ثواب اور حصول درجات کا کامل ذریعہ ہے بلکہ واجب کے قریب ہے اگرچہ شد رحال اور جان و مال کے صرف کرنے سے حاصل ہو اور سفر کے وقت حضور ﷺ جن پر لاکھوں صلوٰۃ و سلام ہوں کی زیارت کی نیت کرے اور اس کے ساتھ حضور ﷺ کی مسجد اور دوسرے مقامات اور متبرک جگہوں کی بھی نیت کر لے۔ بلکہ اولیٰ وہ بات ہے جس کو علامہ ابن ہمام نے بیان کیا ہے کہ سفر کرنے والا خالص حضور ﷺ کی زیارت کی نیت کرے پھر جب مدینہ میں حاضر ہو جائے گا اس کو مسجد کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس میں حضور ﷺ کی زیادہ تعظیم اور بزرگی ہے اور یہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے موافق ہے کہ جو آدمی میری زیارت کے لئے آیا اور اس کا مقصد صرف میری زیارت ہی ہو تو میرے اوپر اس کا حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا سفارشی بنوں اور اسی طرح بہت بڑے عارف ملاجائی سے منقول ہے کہ انہوں نے بغیر حج کے زیارت رسول ﷺ کے لئے سفر کیا اور یہ بات

حضور ﷺ سے محبت رکھنے والوں کے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ بہر حال جو بات وہابی بیان کرتے ہیں کہ مدینہ (جس کے ساکن پر لاکھوں سلام ہوں) کی طرف سفر کرنے والا صرف مسجد نبوی کی نیت کرے حضور ﷺ کے فرمان ”لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد“ سے استدلال کرتے ہوئے تو ان کی بات مردود ہے اس لئے کہ یہ حدیث زیارت نبوی علی صاحبہا الف الف تحیہ کی نیت سے سفر کرنے کو نہیں روکتی بلکہ اگر فہم ثاقب والا اسی حدیث میں غور کرے تو یہ جان لے گا کہ یہ حدیث دلالت النص سے روضہ اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر کو جائز قرار دیتی ہے۔ اس لئے کہ (ہر عام و خاص) اس حدیث سے یہ سمجھتا ہے کہ باقی مساجد اور مقامات سے ان تین مساجد (مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی ﷺ) کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ ان کی وہ فضیلت ہے جو ان کے ساتھ خاص ہے اور وہ فضیلت روضہ اطہر میں زیادتی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ تبرک زمین جو آپ ﷺ کے اعضاء مبارکہ سے ملی ہوئی ہے وہ علی الاطلاق افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ اور عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے جیسا کہ اس کی وضاحت ہمارے فقہاء نے کی ہے اللہ ان سے راضی ہوں۔ تو جب ان تین مساجد کے سفر کو ان کی خاص فضیلت کی وجہ سے مستثنیٰ قرار دیا تو بدرجہ اولیٰ روضہ اطہر فضیلت عامہ کی وجہ سے اس نہی سے مستثنیٰ ہوگا۔ (عقائد اہل سنت ص ۳۴، ۳۵) اسی طرح تیسرا اور چوتھا سوال وسیلہ کے بارہ میں تھا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد دعاؤں میں حضور ﷺ کا وسیلہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور حضور ﷺ کے علاوہ سلف صالحین، انبیاء، اولیاء اور شہداء کا وسیلہ جائز ہے یا نہیں؟ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا کہ ہمارے اور ہمارے تمام مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء صلحاء اولیاء شہداء اور صدیقین کا وسیلہ دینا ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اس طرح کہ اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے اللہ میں بوسیۃ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں۔ اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم الہکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ (عقائد علماء اہلسنت دیوبند ص ۳۷) ان دو مسئلوں میں آج کل بھی کچھ لوگ حد سے تجاوز کر کے اس کو شرک تک کہتے ہیں۔ حالانکہ جمہور اہلسنت والجماعت کا مسلک یہی ہے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ اس رسالہ کی تصدیق اس وقت کے اور بعد والے علمائے کرام نے بھی کی کہ یہ اہلسنت کے درست عقائد ہیں جن میں مکہ، مدینہ، مصر، شام کے حنفی شافعی، مالکی، حنبلی سب علماء کے دستخط ہیں بلکہ ان مسائل پر مستقل کتابیں

بھی لکھی گئی ہیں۔ چند دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ سے زیادتی کی۔ (الجوہر المنظم فی زیارة قبر الشریف النبوی المکرم المعظم لابن حجر المئثمی المتوفی ۹۷۴ھ)
(۲) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (ایضاً)، (۳) حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (ایضاً)، (۴) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ارادۃ میری زیارت کرے گا وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا۔ (ایضاً ص ۹)، (۵) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے فرض حج ادا کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور جہاد میں حصہ لیا اور بیت المقدس میں نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرائض کا حساب نہیں لے گا۔ (ایضاً ص ۱۰)، (۶) نیز فرمایا کہ جو شخص مرنے کے بعد میری زیارت کرے گا تو گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی اور میری امت کا کوئی شخص جس کے پاس فرصت ہو اور پھر میری زیارت کے لئے نہ آئے تو قیامت میں اس کا کوئی قبول نہیں ہوگا۔ (ایضاً ص ۱۰)

اس جیسی اور بھی بہت سی روایات اس کتاب میں مذکور ہیں جن میں سے بعض ضعیف بعض حسن اور بعض صحیح بھی ہیں اور جو روایات ضعیف ہیں ان کا ضعف شواہد کی وجہ سے ختم ہو گیا ویسے اگر اس بارہ میں صرف ایک ضعیف روایت ہی ہوتی تو وہ بھی فضائل میں مقبول ہوتی پھر ان تمام روایات کو تلقی بالقبول حاصل ہے اس لئے ان کی اسنادی جرح قابل قبول نہیں۔ پھر ان روایات کے مطابق پوری امت سے صحابہ کرام ✽ سے لے کر آج تک عمل رہا ہے۔

(۱) چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطاب ♦ نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کی اور کعب احبار ان کو ملنے کے لئے آئے اور اسلام قبول کیا تو حضرت عمر ♦ ان کے اسلام کی وجہ سے خوش ہوئے اور حضرت عمر ♦ نے کعب احبار سے کہا کیا تیرا یہ ارادہ ہے کہ تو میرے ساتھ مدینہ جائے اور نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کرے اور ان کی زیارت سے مستفید ہو؟ تو کعب احبار ♦ نے کہا کہ ہاں اے امیر المؤمنین میں یہ کام کروں گا۔ تو جب حضرت عمر ♦ مدینہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد میں گئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۹ بحوالہ اعلیٰ السنن ج ۱ ص ۵۰۲)

(۲) حضرت ابن عمر ♦ جب سفر سے آتے تو حضور ﷺ کی قبر پر تشریف لاتے اور فرماتے اے اللہ کے رسول (ﷺ) آپ پر سلامتی نازل ہو، اے ابوبکر ♦ آپ پر سلامتی نازل ہو، اے میرے

♦ باپ آپ پر سلامتی نازل ہو، اس روایت کو عبدالرزاق نے سند صحیح سے نقل کیا ہے اور مؤطا (امام مالک) میں یحییٰ بن یحییٰ کی روایت ہے کہ تحقیق ابن عمر ♦ حضور ﷺ کی قبر پر ٹھہرتے تھے اور حضور ﷺ اور ابوبکر ♦ اور عمر ♦ پر درود بھیجتے تھے اور ابن القاسم اور شعبی کی روایت میں ہے کہ ابوبکر و عمر ♦ کے لئے دعا کرتے تھے۔ اور ابن عون سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت نافع ؓ سے سوال کیا کہ ابن عمر ♦ قبر پر سلام کہتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے ان کو سویا سو سے زائد مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی قبر پر آ کر کھڑے ہو جاتے پھر فرماتے السلام علی النبی ﷺ، السلام علی ابی بکر ♦، السلام علی ابی ♦۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۱۰، اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۴)

(۳) امام ابوحنیفہ ؓ حضرت نافع ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر ♦ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تو حضور ﷺ کی قبر پر قبلہ کی جانب سے آئے اور اپنی پشت قبلہ کی طرف اور اپنا چہرہ قبر مبارک کی طرف کرے۔ پھر کہے السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۱۰ و اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۴)

(۴) امام محمد ؓ فرماتے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ جب کوئی شخص مدینہ میں داخل ہو تو حضور ﷺ کی قبر پر آئے۔ (مؤطا امام محمد ص ۱۳۹۲ اس کی سند صحیح ہے، اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۷)

(۵) داؤد بن صالح سے روایت ہے کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنا چہرہ قبر مبارک پر رکھا ہوا ہے تو مروان نے اس کی گردن پکڑ کر کہا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں، اور پھر اس نے مروان کی طرف دیکھا، تو اچانک وہ شخص حضرت ابویوب انصاری ♦ تھے۔ پھر حضرت ابویوب انصاری ♦ نے فرمایا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا ہوں پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے فرماتے تھے کہ جب دیندار لوگ دین کے والی بنیں تو دین پر رونے کی ضرورت نہیں لیکن جب دین کے والی (حکمران) غیر دین دار بنیں تو اس وقت دین پر رونے کی ضرورت ہے (اس وقت دین پر خوب روؤ) (مستدرک حاکم وقال صحیح الاسناد و اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۸)

معلوم ہوا کہ حضرت ابویوب انصاری ♦ حیاتی تھے اور مروان ممانی ذہن کا تھا۔

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ شام سے ایک قاصد کو صرف اس لئے مدینہ طیبہ میں بھیجا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو میرا سلام کہنا۔ علامہ سبکی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ کا یہ عمل شہرت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہے اور یہ عمل صدر تابعین کے زمانہ کا ہے (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۰۹) اسی طرح

وسیلہ بالذات زندگی میں یا زندگی کے بعد اور روضہ اطہر پر حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا بھی اہلسنت والجماعت کا مشہور مسلک ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب شہ رگ سے بھی قریب ہیں تو کسی وسیلے کی سیڑھی لگانے کی ضرورت نہیں مگر وہی لوگ کہتے ہیں کہ وسیلہ بالاعمال جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی قریب ہیں اعمال کے وسیلہ کی سیڑھی کی بھی ضرورت نہیں وہ کیوں لگائی جاتی ہے؟

نوٹ: واضح رہے کہ جو لوگ وسیلہ کے مسئلہ میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی قریب ہیں جب استویٰ علی العرش کا مسئلہ آتا ہے تو ان کے ہاں شہ رگ سے قریب ہونے والا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔

دلائل وسیلہ بالذات:

(۱) قرآن پاک میں ہے کہ وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (بقرہ) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے اہل کتاب کافروں کے خلاف اللہ سے نصرت طلب کرتے تھے کہ اے اللہ ان کافروں کے خلاف اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ (جلالین ص ۱۴)

(۲) دوسرے پارہ کے آخر میں تاہوت سکینہ کا ذکر ہے جلالین میں ہے کہ اس صندوق میں انبیاء کے تبرکات تھے اور بنی اسرائیل اس کے وسیلہ سے اپنے دشمن کے خلاف فتح کی دعا مانگا کرتے تھے لڑائی میں اس صندوق کو آگے آگے رکھتے تھے۔ (جلالین ص ۳۸) تو جب انبیاء کے تبرکات جو غیر ذی شعور ہیں، سے وسیلہ جائز ہے تو انبیاء جو مرنے کے بعد زندہ ہیں ان کا وسیلہ کیوں جائز نہیں۔

(۳) قرآن پاک میں ہے کہ اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آپ ﷺ کے پاس آجاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے (سورہ نساء آیت ۶۴) اس آیت کے تحت فقہاء اربعہ کی کتب میں درج ہے کہ آج بھی حاجی روضہ اطہر پر حاضر ہو کر سلام کرے اور اس آیت کا حوالہ دے کر حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کرے۔ تو اللہ تعالیٰ کو تواب و رحیم پائے گا۔ (دیکھئے شوافع کی الجوہر المنظم، حنابلہ کی مغنی ابن قدامہ اور اعلیٰ السنن وغیرہا) مگر افسوس ہے کہ آج کل کچھ لوگ روضہ اطہر پر کھڑے ہو کر اس کو شرک تک کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے غلو سے بچائیں۔ (آمین)

رکھتا ہے وہ بھی ان ایام کے اعمال کے برابر نہیں۔ البتہ جس شخص نے جان اور مال دونوں راہِ خدا میں قربان کر دیئے تو اس کی یہ ایثار و قربانی اور شہادت، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان ایام کے عمل نیک کے برابر پسندیدہ ہو سکتی ہے۔ لہذا ان مبارک دنوں میں خداوند قدوس جل شانہ کی اطاعت و بندگی بہت لگن سے کرنی چاہیے اور غیر ضروری دنیاوی علاقے سے ہٹ کر ہمہ تن باری تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونا چاہیے ذکر و فکر، تسبیح و تلاوت اور دیگر معمولاتِ یومیہ میں کچھ نہ کچھ ضرور اضافہ کرنا چاہیے۔

عشرہ ذی الحجہ میں دن کو روزہ اور شب میں عبادت کی فضیلت:

حدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبدلہ فیہا من عشر ذی الحجۃ یعدل صیام کل یوم منها بصیام سنۃ و قیام کل لیلۃ منها بقیام لیلۃ القدر (کذا فی مجمع الزوائد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ♦ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عبادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ پسند ہو۔ (کیونکہ) عشرہ ذی الحجہ میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔

تشریح: رسول کریم ﷺ کے مذکورہ ارشاد سے بقرعید کے شروع کے دس دنوں کی کتنی عظیم الشان فضیلت معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص ان دنوں میں ایک روزہ رکھے تو ایک سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے، دو روزے رکھے تو دو سال کے روزوں کے برابر ثواب ملے۔ اور اگر کوئی مرد خدا اور آخرت کا حریص دسویں تاریخ چھوڑ کر باقی پورے نو دن کے روزے رکھ لے تو اس کو نو سال کے روزوں کے برابر ثواب ملے یہ تو دن کی فضیلت ہوئی اور شب کی فضیلت یوں سمجھنا چاہیے کہ اول تو رمضان المبارک میں شب قدر مل جانا کوئی یقینی نہیں، پھر مل جائے تو وہ صرف ایک ہی شب کی فضیلت ہے لیکن یہاں اس عشرے کی ہر شب میں جاگ کر ہر شخص شب قدر کی عبادت کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور شب قدر کا ثواب ہزار مہینوں سے بہتر بتلایا گیا ہے جن میں تقریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں تو گویا شب قدر میں عبادت کرنا تیس ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ اب ان دس دنوں کی راتوں میں عبادت کر کے ہر شخص یہ ثواب عظیم حاصل کر سکتا ہے۔ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ آخرت کی کمائی کرنے والے آئیں اور اپنے جوہر دکھلائیں۔

عشرہ ذی الحجہ میں بال اور ناخن:

حدیث: عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی فلا یمس من شعرہ وبشرہ شیئاً (رواہ مسلم)

ترجمہ: اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ □ سے روایت ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا

”جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم شریف)

تشریح: اس روایت کو اور اس جیسی دوسری روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک نہ تو اپنے ناخن کترے اور نہ سر کے بال مونڈے نہ کترے اور نہ بغل اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرے، بلکہ بدن کے کسی بھی حصے کے بال نہ کاٹے۔ قربانی کرنے کے بعد ناخن تراشے اور بال کٹوائے۔ لیکن یاد رہے ایسا کرنا مستحب ہے اور حتی الامکان مستحب پر عمل کرنا بھی چاہیے لیکن اگر کسی وجہ سے کوئی شخص قربانی سے پہلے مثلاً عید الاضحیٰ سے ایک دو روز پہلے خط بنوالے یا بدن کے مخصوص حصوں کے بال صاف کر لے تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور ایسا کرنے سے قربانی کے صحیح ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا، قربانی درست ہو جاتی ہے۔

نویں تاریخ کا روزہ:

حدیث: عن قتادة رضى الله عنه..... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صيام يوم عرفة احتسب على الله يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده الخ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت قتادہ ♦ سے روایت ہے کہ فرمایا محبوب رب العالمین ﷺ نے بقرعید کی نویں تاریخ کے روزے کے بارے میں کہ میں اللہ پاک سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے۔ (مسلم شریف)

تشریح: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو جودن ہوتا ہے اس کو عرفہ کا دن کہتے ہیں، ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں اس کی خاص اہمیت ہے اور خاص فضیلت ہے، اس دن کا روزہ رکھنے سے اگلے اور پچھلے ایک سال کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، لہذا اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے اس دن کا نفل روزہ رکھنا چاہیے اور اطاعت و بندگی میں خاص دلچسپی لینی چاہیے، گناہوں کی معافی اور دارین کی عافیت مانگنی چاہیے البتہ بعض جگہ پر اس دن کچھ لوگ اپنے اپنے علاقہ میں بستی سے باہر میدان میں جمع ہو کر اہل عرفات کی مشابہت اختیار کر کے ذکر و دعاء میں مشغول ہوتے ہیں یہ بالکل بے اصل بات ہے اور بدعت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

شب بقرعید کی فضیلت:

حدیث: عن ابی اُمَامَةَ رضى الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال من قام لیلتی العیدین محتسبا لم قلبه يوم تموت القلوب (رواه ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ ♦ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دونوں عیدوں (یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا تو اس کا دل اس

دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔ (ابن ماجہ بحوالہ الترغیب)

تشریح: عید الفطر اور بقرعید کی شب کو زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں کو عبادتِ الہی میں مشغول رکھے، ذکر و تسبیح، صلہ رحمی، نیکوں کی محبت و ہم نشینی میں اس وقت کو پورا کرے۔ اہل و عیال کے ساتھ انس و محبت سے پیش آئے۔ عزیز و اقارب سے میل ملاقات اور حسن سلوک کرے۔ یہ سب کارہائے خیر ہیں اور عبادت میں ان راتوں کو گزارے۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ ”اُن راتوں میں عبادت کرنے والے کا دل مردہ نہ ہوگا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے ہولناک اور دہشتناک دن میں جب ہر طرف خوف و ہراس اور دہشت و گھبراہٹ پھیلی ہوئی ہوگی، لوگ بدحواس اور مدہوش ہوں گے اور ان کی نشہ کی سی کیفیت ہوگی۔ حالانکہ انہیں نشہ قطعاً نہ ہوگا لیکن عذابِ الہی ایسی سخت چیز ہے جس سے لوگوں کی یہ حالت ہوگی، ایسے قیامت خیز دن میں حق تعالیٰ شانہ اس بندہ کو پُر تنعم اور باسعادت زندگی بخشیں گے، خوف و دہشت کا دور دور کوئی نشان نہ ہوگا، ہر بھلائی اس کے قدم چومے گی۔ اس پر رحمت ہی رحمت برستی ہوگی اور وہ بہت پر لطف اور پر مسرت زندگی میں مگن ہوگا۔ (حاشیہ الترغیب بتصرف) حق تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت نصیب فرمائے، اس لیے بقرعید کی شب بڑی مبارک اور باسعادت رات ہے اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس کی قدر دانی یہی ہے کہ اس رات کو کثرتِ ذکر اللہ اور درود شریف میں اور دیگر عبادات میں لگ کر گزارنا چاہیے۔

ساری رات نہ جاگ سکے تو جتنی رات آسانی سے جاگ کر عبادت کر سکے اتنا ہی کر لے۔ کم از کم عشاء اور فجر کی نماز تو ضرور ہی تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت ادا کرے اور درمیان میں جتنی دیر ذکر و عبادت کر سکے کر لے پھر سو جائے، اتنا کرنے پر بھی اُمید ہے حق تعالیٰ محروم نہ فرمائیں گے۔

تکبیر تشریق کے احکام

تکبیر تشریق کسے کہتے ہیں؟:

تکبیر تشریق: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کو

کہتے ہیں۔ (در مختار)

تکبیر تشریق کب سے کب تک پڑھیں:

عرفہ کا دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد فوراً بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے۔ البتہ عورتیں یہ تکبیر آہستہ آواز سے کہیں تاہم حساب سے یہ کل بتیس نمازیں ہوتی ہیں جن کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے اور ان پانچ دنوں کو جن میں یہ تکبیریں کہی جاتی ہیں ”ایام تشریق“ کہتے ہیں (در مختار) یہ تکبیریں ہر شخص پر واجب نہیں ہیں ان کے

واجب ہونے کی کچھ شرطیں ہیں جن کا ابھی ذکر آتا ہے۔

تکبیر تشریق واجب ہونے کی شرطیں:

تکبیر تشریق واجب ہونے کے لئے درج ذیل تین شرطیں ہیں اگر یہ تینوں شرطیں کسی شخص میں موجود ہوں تو ایام تشریق میں اس پر تکبیر تشریق واجب ہے، اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو تکبیر تشریق واجب نہیں۔ (ہدایہ، خلاصۃ الفتاویٰ)

■ مقیم ہونا، مسافر پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

■ شہر ہونا، گاؤں، گوٹھ والوں پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

■ جماعت مستحبہ ہونا، اکیلے نماز پڑھنے والوں پر اور تنہا عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنے سے

ان پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

شرائط کی ضروری تشریح:

پہلی شرط کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی جگہ مقیم ہوں جیسے اپنے وطن اصلی میں ہوں یا مسافر نے کسی جگہ جہاں اقامت کی نیت معتبر ہوتی ہو کم از کم پندرہ دن قیام کی نیت کر لی ہو اور باقی دو شرطیں بھی موجود ہوں تو اس پر ایام تشریق میں تکبیر تشریق واجب ہے۔ مسافر شخص پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے خواہ وہ الگ نماز پڑھے یا اپنے ہی جیسے کسی مسافر امام کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرے اور اگرچہ یہ مسافر یا مسافروں کی جماعت کسی شہر میں ہو اور اپنی جماعت کریں، ان پر بہر حال تکبیر تشریق واجب نہیں، البتہ اگر یہ مسافرین کسی مقیم امام کی اقتداء میں شہر یا قصبہ میں نماز باجماعت ادا کریں تو پھر ان پر بھی امام کے تابع ہو کر تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔

دوسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ جمعہ وعیدین کے لیے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے، کسی چھوٹے گاؤں گوٹھ میں جمعہ وعیدین جائز نہیں۔ اس لیے ان کے باشندوں پر تکبیر تشریق بھی ایام تشریق میں واجب نہیں، اگرچہ گاؤں والے اپنی فرض نماز باجماعت ادا کریں، البتہ اگر یہ لوگ کسی شہر یا قصبہ میں آ کر مقیم امام کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کریں تو امام کے تابع ہو کر ان پر بھی تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔

تیسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دو شرطوں کے ساتھ تکبیر تشریق واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایام تشریق میں جن جن فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہوتا ہے ان فرض نمازوں کو باجماعت ادا کیا گیا ہو اور وہ جماعت بھی مستحب جماعت ہو، مکروہ جماعت نہ ہو، مثلاً کسی مرد امام کی اقتداء میں باجماعت وہ فرض ادا کیا گیا ہو تو اس جماعت کے شریک تمام مقتدیوں پر امام سمیت تکبیر تشریق واجب ہوگی۔ لیکن اگر باوجود پہلی دو شرطوں کے پائے جانے کے کسی شخص نے ایام تشریق کی فرض

نمازیں کل یا بعض بغیر جماعت کے تہا ادا کیں تو اس پر تہا ادا کی جانے والی نمازوں کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر تہا عورتوں نے مل کر کسی عورت ہی کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں کوئی فرض نماز باجماعت ادا کی تو ان پر بھی تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ عورتوں کی جماعت، جماعت مستحبہ نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اگر عورتیں الگ الگ نمازیں ادا کریں تب بھی ان پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔ البتہ اگر شہر یا قصبہ میں عورتیں کسی مقیم مرد امام کی اقتداء میں فرض نمازیں باجماعت ادا کریں اور امام نے ان کی اقتداء کی نیت بھی کر لی ہو تو جو نمازیں وہ امام کی اقتداء میں ادا کریں گی ان نمازوں کے بعد ان پر بھی امام کے تابع ہو کر تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔ لیکن عورتوں کو مساجد میں جا کر مردوں کی جماعت میں شریک ہو کر نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے۔ (بحر و شامی)

تکبیر تشریق بھول جانے کا حکم:

تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد فوراً کہنی چاہیے اگر کوئی شخص اس وقت کہنا بھول جائے یا جان کر نماز کے منافی کوئی کام کرے مثلاً قہقہہ مار کر ہنس پڑے یا کوئی بات کر لے خواہ جان کر یا بھول کر یا مسجد سے چلا جائے۔ تو پھر تکبیر تشریق نہ کہنی چاہیے اور اس کی قضا بھی نہیں ہے ہاں توبہ کرنے سے تکبیر تشریق چھوڑنے کا گناہ معاف ہو جائے گا لہذا توبہ کر لے اور آئندہ خیال رکھے البتہ اگر کسی شخص کا وضو نماز کے بعد فوراً ٹوٹ جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسی حالت میں فوراً تکبیر کہہ لے وضو کرنے نہ جائے اور اگر وضو کر کے کہے تب بھی کہہ لینا جائز ہے۔ (علم الفقہ و فتاویٰ دارالعلوم مدلل)

اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے:

اگر کسی نماز کے بعد امام تکبیر تشریق کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب وہ کہیں۔ (در مختار)

تکبیر تشریق کتنی بار کہیں:

تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ کہنے کا حکم ہے اور صحیح قول کے مطابق ایک سے زیادہ مرتبہ کہنا خلاف سنت ہے۔ (شامی و فتاویٰ دارالعلوم)

بقرعید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کا حکم:

بقرعید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنے نہ کہنے میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک کہہ لینا واجب ہے۔ (در مختار، بہشتی گوہر)

قربانی کے فضائل و مسائل

قربانی کی ابتداء:

حضرت ابراہیم ؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ نبیوں کا خواب سچا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا اور ایسی بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیئے جانے کے برابر مانی جاتی تھی اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا:

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (سورة الصافات رکوع ۳۷)
 ”اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔“

چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل ؑ کو مکہ مکرمہ سے لے کر چلے اور منیٰ میں جا کر ذبح کرنے کی نیت سے ایک چھری ساتھ لی۔ (منیٰ مکہ معظمہ سے تین میل دور دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت لمبا میدان ہے) جب منیٰ میں داخل ہونے لگے تو ان کے بیٹے کو شیطان بہکانے لگا۔ حضرت ابراہیم ؑ کو پتہ چلا تو شیطان کو اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں، جس کی وجہ سے وہ زمیں میں دھنس گیا، دونوں باپ بیٹے آگے بڑھے تو زمین نے شیطان کو چھوڑ دیا۔ کچھ دور جا کر شیطان پھر بہکانے لگا تو حضرت ابراہیم ؑ نے پھر اُسے اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں، وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔ یہ دونوں آگے بڑھے تو پھر زمین نے اس کو چھوڑ دیا وہ پھر آ کر درغلانے لگا۔ حضرت ابراہیم ؑ نے پھر اُسے اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں پھر وہ زمین میں دھنس گیا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے بیٹے کو لٹا دیا، ابھی ذبح کرنے نہ پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ندا آئی: يَا اِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا یعنی اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر دیا۔ پھر اللہ پاک نے ایک مینڈھا بھیجا جسے اپنے بیٹے کی جانب سے حضرت ابراہیم ؑ نے ذبح کر دیا جیسا کہ حق تعالیٰ جل مجدہ کا ارشاد ہے: وَقَدْ يَنَافَعُ عَظِيمٍ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں کتب تفسیر روح المعانی وغیرہ۔ سورة صافات)

ذبح تو کیا مینڈھا اور ثواب مل گیا بیٹے کی قربانی کا، کیونکہ دونوں باپ بیٹے اپنے دل و جان سے اس کام کے انجام دینے کو طے کر چکے تھے جس کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا تھا باپ نے بیٹے کو لٹا دیا۔ اور بیٹا ذبح ہونے کے لئے بخوشی لیٹ گیا۔ دونوں نے اپنی جانب سے کوئی کسر نہیں چھوڑی، اللہ تعالیٰ کے یہاں نیت دیکھی جاتی ہے۔ اپنی نیت میں یہ دونوں سچے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهٖ لِلْجَبِينِ

یہ واقعہ قربانی کی ابتداء ہے اور حج کے موقع پر جو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ان کی ابتداء بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہے۔ اُن ہی تین جگہوں میں کنکریاں مارتے ہیں جہاں شیطان زمین میں دھنس گیا تھا اب اس جگہ نشان وہی کے لئے پتھر کے مینار بنادیئے گئے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کرنا عبادت میں شمار ہو گیا۔ چنانچہ رحمت عالم ﷺ کی امت کے لیے بھی قربانی مشروع کی گئی۔ ہر صاحب حیثیت پر قربانی واجب ہے اور اگر کسی کی اتنی حیثیت نہ ہو اور قربانی کر دے تب بھی ثوابِ عظیم کا مستحق ہوگا۔

قربانی کرنے کی فضیلت احادیث کی روشنی میں:

حدیث: عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر احبَّ الى اللہ من اھراق الدم وانه لیأتی يوم القيامة بقرونها واشعارها واطلافها وإنَّ الدَّمَّ ليقعُ من اللہ بمكانٍ قبل ان یقع بالارض فطیبوا بها نفساً (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بقر عید کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں ثوابِ عظیم ملنے کا ذریعہ بنیں گی) نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے لہذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی شریف)

حدیث: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی يوم اضحی ما عمل ادمی فی هذا اليوم افضل من دم یھراق الا ان یکون رحماً توصل (رواہ الطبرانی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بقر عید کے دن فرمایا کہ آج کے دن کوئی شخص قربانی سے بہتر عمل نہیں کر سکتا۔ الا یہ کہ صلہ رحمی کرے (یاد رہے کہ صلہ رحمی نفلی قربانی کا بدل تو ہو سکتی ہے واجب قربانی کا نہیں)

قربانی کا پہلا قطرہ گرتے ہی تمام گناہوں کی بخشش:

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! جاؤ اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جو نبی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں

گے نیز وہ جانور (قیامت کے دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا اور پھر اسے ستر گنا (بھاری کر کے) تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرت ابوسعید ♦ نے (یہ عظیم الشان فضیلت سن کر بے ساختہ) عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ (فضیلت عظیمہ صرف) آل محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ (واقعہً) اس کا خیر کے زیادہ مستحق ہیں یا آل محمد ﷺ اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (یہ عظیم الشان فضیلت) آل محمد ﷺ کے لئے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی عام ہے (یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ فضیلت حاصل ہوگی)۔ (الترغیب والترہیب)

تشریح: اس روایت سے دو اہم فضیلتیں معلوم ہوئیں:

- قربانی کے جانور کا پہلا قطرہ گرتے ہی قربانی کرنے والے کی مغفرت ہو جاتی ہے۔
- قیامت کے دن قربانی کا جانور خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا اور پھر اس کو ستر گنا وزنی کر کے میزان میں رکھا جائے گا۔

اس لیے نہایت خوش دلی اور فراخ دلی سے قربانی کرنی چاہیے واجب نہ ہو تو بھی ان فضیلتوں کو حاصل کرنے کے لیے قربانی کر ہی لینی چاہیے۔

بقر عید کے دن قربانی پر پیسہ خرچ کرنا افضل ہے:

حضرت ابن عباس ♦ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عید کے دن قربانی کا جانور (خریدنے) کے لیے پیسے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور چیزوں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (طبرانی)

قربانی کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی:

حضرت زید بن ارقم ♦ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم ♦ کی سنت ہے انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے جانور کے) ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ انہوں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! (جن جانوروں کے بدن پر اون ہے اُس) اُون کا کیا حکم ہے؟ (کیا اس پر بھی کچھ ملے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا اُون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ملے گی۔ (الترغیب والترہیب)

تشریح: غور کیجئے! اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں مل جائیں۔ دے بے اور بھیڑ کے بدن پر کتنے لاتعداد بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گنا

چاہے تو بھی نہ گن سکے تو سوچئے! ہمارے ہزار دو ہزار کے مقابلے میں کتنی بے حساب نیکیاں ہوئیں اس قدر اجر و ثواب کو دیکھ کر خوب بڑھ چڑھ کر قربانی کرنی چاہیے۔ واجب تو واجب ہے ہی اگر وسعت ہو تو نفلی قربانی بھی کرنی چاہیے۔ ان مبارک دنوں کے چلے جانے کے بعد پھر یہ دولت کہاں نصیب ہوگی اور اس آسانی سے یہ بے شمار نیکیاں کہاں میسر ہوں گی پھر اگر اللہ تعالیٰ نے مالی فراخی عطا فرمائی ہے تو جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے وہاں اپنے مرحوم عزیزوں کی طرف سے بھی کر دے مثلاً ماں، باپ، بہن، بھائی وغیرہ ان کی طرف سے قربانی کرنے سے ان کی روح کو اتنا عظیم الشان ثواب پہنچ جائے گا۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ محسن اعظم نو مجسم رحمت عالم ﷺ کی جانب سے اور آپ کے اہل بیت کی طرف سے بھی قربانی کی جائے، ورنہ کم از کم اپنی واجب قربانی تو ضرور ہی کر دے۔ جس شخص نے قربانی واجب ہوتے ہوئے نہ کی تو اس سے بڑھ کر بدنصیب اور محروم کون ہوگا؟ حدیث میں ایسے شخص کو عید گاہ میں حاضری ہی سے منع کر دیا گیا ہے۔

ایک ضروری مسئلہ:

بعض جگہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ بھی کماتا ہے اس کے چار پانچ لڑکے ہیں وہ بھی اپنا الگ الگ کماتے ہیں، ماں اور سب دُلہنوں کی ملکیت میں سونے چاندی کا زیور بھی ہوتا ہے لیکن بقرعید کو قربانی صرف ایک ہوتی ہے اور جملہ اہل خانہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کی طرف سے یہ واجب ادا ہو گیا۔ یہ سخت نا سمجھی اور مغالطے کی بات ہے۔ یاد رکھیں! قربانی واجب ہونے کے لئے گھر کے ہر فرد کی علیحدہ علیحدہ ملکیت دیکھی جائے گی اور جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو یا مختلف سونے چاندی کا زیور ہو مگر مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہو یا اس قدر چاندی کی قیمت مالا مال تجارت ہو یا اتنی مالیت کا فاضل سامان پڑا ہوا ہو تو اس پر بقرعید کے دن قربانی واجب ہوگی، چنانچہ اگر اتنا زیور یا روپیہ یا فالتو ساز و سامان ماں، باپ، تمام لڑکوں اور ان کی بیویوں کی ملکیت میں ہوا تو ان سب پر ایک ایک قربانی واجب ہوگی اور اگر سب کی ملکیت میں اتنا مال نہ ہوا تو جس جس کی ملکیت میں ہوگا اُس پر قربانی واجب ہوگی اور یہ بھی یاد رکھیں کہ قربانی فرض ہونے کے لئے مذکورہ بالا مقدار چاندی یا اس کی قیمت یا اس کے بقدر مال تجارت کے ملکیت میں ہونے پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس بقرعید کی نویں تاریخ کو عصر کے وقت اتنا روپیہ پیسہ یا مال تجارت آیا جس کے ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے تو اس پر بھی کل قربانی واجب ہو جائے گی۔

جامعہ خیر المدارس کے دارالافتاء سے جاری شدہ استفتاء اور اس کا جواب

جہیز کی شرعی حیثیت

مفتی محمد عبداللہ صاحب (رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان حضرات اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

احادیث مبارکہ میں صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کا ذکر آتا ہے۔ حالانکہ اولاد کے درمیان انصاف ضروری ہے، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو عدل و انصاف کے پیکر تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بنات کو جہیز نہیں دیا؟ اور اگر دیگر بنات کو جہیز دینا بھی ثابت ہے تو پھر اس کا حوالہ اور تفصیل تحریر فرمادیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنی کتاب حلال و حرام (صفحہ ۲۷۶) پر فرماتے ہیں کہ: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو سامان دیا وہ جہیز نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مربی ہونے کی حیثیت سے دیا تھا۔ (کیونکہ حضرت علیؑ کی پرورش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ رہی) اور باقی کسی بیٹی کو کچھ دینا ثابت نہیں۔

سائل..... محمد زعفران ہزاروی مختص فی الافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)
نوٹ: اسی موضوع سے متعلق ایک اور تحریر بھی ایک صاحب کی جانب سے موصول ہوئی جس میں انہوں نے یہ ذکر کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو سامان دیا گیا تھا اس کا انتظام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بطور جہیز کے نہیں تھا بلکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سے خریدا گیا تھا۔
آنجناب سے التماس ہے کہ صحیح صورت حال سے آگاہ فرمائیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو سامان دیا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور جہیز تھا یا کچھ اور؟ نیز جہیز کی شرعی حیثیت بھی واضح فرمائیں۔

الجواب

سیرت مصطفیٰ (صفحہ ۱۶۷ جلد ۲) میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں جو سامان دیا وہ درج ذیل تھا:

ایک لحاف اور ایک چڑے کا گدا جس میں بجائے روئی کے کسی درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، اور دو عدد چکیاں اور ایک مشکیزہ اور دو مٹی کے گھڑے۔ (الخ)

سائل کا بقول حضرت رحمانی صاحب مذکورہ سامان کو جہیز سے خارج کرنا اور اسے حضرت علیؓ کے تابع اور زیر تربیت ہونے کی بناء پر ایک تعاون قرار دینا کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

۱۔ تمام کتب سیرت میں اور حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں اس سامان پر لفظ ”جہیز“ کا اطلاق کیا ہے جو سائل کے موقف کی تردید کیلئے کافی ہے۔

۲۔ جہیز دینا عرف عام ہے:

جب بیٹی اور باپ کا جہیز کے سامان میں اختلاف ہو جائے کہ آیا یہ سامان بطور عاریت تھا یا بطور تملیک تھا تو ایسی صورت میں بیٹی جو تملیک کی مدعیہ ہے اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ حالانکہ شرعی مسلمہ ضابطہ ہے کہ تملیک اور عدم تملیک میں مُملک کی بات کا اعتبار ہوتا ہے۔ چونکہ جہیز بطور تملیک دینا عرف عام میں مروج تھا اس لیے ضابطہ مسلمہ کو ترک کیا گیا۔

”و کذا مسئلة دعوى الاب عدم تملیکه البنت الجهاز فقد بنوها على العرف مع ان القاعدة ان القول للملك فى التملیک وعدمه“ (شرح عقود، صفحہ: ۳۸)

حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق عرف عام سے تخصیص نص ہو سکتی ہے، عرف خاص سے تخصیص نص یا مسلمہ شرعی اصول میں تخصیص نہیں ہو سکتی۔ جہیز کا عرف چونکہ عرف عام ہے اس لیے ضابطہ مسلمہ شرعیہ میں تخصیص ہوئی۔

”ثم اعلم ان العرف قسمان: عام وخاص، فالعام يثبت به الحكم العام ويصلح مخصصا للقياس او الاثر بخلاف الخاص فانه يثبت به الحكم به الحكم الخاص مالم يخالف القياس او الاثر فانه لا يصلح مخصصاً۔“ (شرح عقود، صفحہ: ۳۸)

اس جزئیہ سے بھی جہیز کا ثبوت اور اس کا عرف عام ہونا معلوم ہوا، لہذا یہ ہندوانہ اور ایرانی رسم نہیں۔

۳۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تابع ہونا اس کی بنیاد ہوتا تو پھر مہر کے بارے میں دریافت کرنے کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہمارے عرف کے مطابق مہر بھی والد کی طرح خود ہی ادا کر دیتے۔

۴۔ اگر یہ سامان حضرت علیؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت ہونے کی وجہ سے ہوتا

تو پھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حق مہر کیلئے کچھ بھی نہ ہونے کے اظہار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے غزوہ بدر سے ملنے والی زرہ کے متعلق استفسار نہ کرتے اور زرہ کو مہر میں دینے کا مشورہ نہ دیتے۔ جبکہ یہ اُن کی جہادی ضرورت کی چیز بھی تھی۔

چنانچہ سیرت مصطفیٰ میں بحوالہ احمد، ابن سعد، اور ابن اسحاق منقول ہے:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس مہر میں دینے کیلئے کوئی چیز بھی ہے، میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ زرہ جو تم کو جنگ بدر میں ملی تھی وہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بہتر ہے وہی زرہ فاطمہ کو مہر میں دیدینا۔ (سیرت مصطفیٰ ﷺ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۲۶)

۵۔ جب رخصتی کا وقت آیا حضرت علیؑ کو مکان کا انتظام کرنے کا فرمایا، اگر تابیعت کا مسئلہ تھا تو پھر مکان کا انتظام خود فرماتے، یا مکان کا کرایہ مہیا کرتے، خاص کر جبکہ حضرت علیؑ کی مالی حیثیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ انجام کار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے حضرت حارثہ بن نعمان کا مکان مفت مہیا ہو گیا۔

جب عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ کوئی مکان لے لو۔

(سیرت مصطفیٰ ﷺ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۲۶)

حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہ نے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوادیتے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور ﷺ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے، خدا کی قسم! میرا مکان جو آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہ اس میں اٹھ گئیں۔

(سیر الصحابیات، صفحہ: ۷، سیرت مصطفیٰ ﷺ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۲۶)

حضرت ابوطالب کا معاشی بوجھ کم کرنے کیلئے حضرت علیؑ کو حضور علیہ السلام نے اپنے زیر کفالت لیا تھا، لیکن یہ کفالت زیادہ سے زیادہ بلوغت تک رہی ہوگی۔ کوئی روایت میری نظر سے ایسی نہیں گزری جس سے یہ ثابت ہو کہ بلوغ کے بعد بھی ان کا نان و نفقہ حضور علیہ السلام کے ذمہ تھا۔ غزوہ بدر کے وقت وہ عرب کے ممتاز جوانوں میں سے تھے۔ اسی لیے عام لڑائی شروع ہونے سے قبل جب کافروں نے مبارزت کی تو

مقابلہ کرنے کیلئے حضرت علیؑ میدان میں اترے، مد مقابل کو واصل جہنم کیا، جبکہ شادی کا واقعہ تو غزوہ بدر سے بعد کا ہے۔

الحاصل: مذکورہ بالا تفصیل سے تابعت کی توجیہ کی حقیقت واضح ہوگئی۔ مہر اور مکان وغیرہ کا انتظام خود حضرت علیؑ سے کرنا یہ عدم تابعت کی واضح دلیل ہے۔

کیا جہیز کا سامان حضرت علیؑ کی زرہ کی قیمت سے خرید شدہ تھا؟

ایک نامہ نگار نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ مذکورہ سامان زرہ کی قیمت سے خریدا گیا۔ یہ تحقیق بھی کتب کے حوالہ جات کی روشنی میں اختراعی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

”عن علباء بن أحمر قال قال علي بن أبي طالب: خطبت إلى النبي صلى الله عليه وسلم ابنته فاطمة قال: فباع علي درعاً له وبعض ما باع من متاعه فبلغ أربع مائة درهم قال: وأمر النبي صلى الله عليه وسلم أن يجعل ثلثيه في الطيب وثلثاً في الثياب“

(کنز العمال، جلد: ۱۳، صفحہ: ۱۶۰، مسند ابویعلیٰ)

وروی ابن ابی خثیمہ وابن سعد عن علباء بن أحمر الیشکری رحمہ اللہ تعالیٰ أن علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ تزوج فاطمة علی أربع مائة وثمانین فأمره النبي أن يجعل فی ثلثین الطیب وثلثاً فی الثیاب۔ وروی ابن سعد عنہ أن علیاً باع بعیراً له بثمانین وأربع مائة درهم فقال النبي: صلى الله عليه وسلم ”اجعلوا ثلثیه فی الطیب وثلثاً فی الثیاب“۔

(سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله فی المبدأ والمعاد جلد: ۱۱، صفحہ: ۳۸)

سیرت مصطفیٰ میں ہے:

حضرت علیؑ نے اس زرہ کو حضرت عثمان کے ہاتھ 480 درہم میں فروخت کیا اور وہ تمام درہم لاکر آنحضرت کے سامنے ڈال دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں سے خوشبو اور کپڑوں کا انتظام کرلو۔ (بحوالہ زرقانی) (سیرت مصطفیٰ ﷺ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۲۷)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ کل رقم کپڑوں اور خوشبو میں خرچ ہوئی۔ جہیز کے سامان کی خریداری اس رقم سے نہیں ہوئی۔

اس سلسلہ میں نامہ نگار نے اپنی تحقیق پر کوئی حوالہ پیش کرنے کی جسارت نہیں کی۔ یہ بظاہر ان کا

ذہنی اختراع ہے۔

عدم مساوات کا اعتراض:

جامعہ حقانیہ سے ارسال کردہ استفتاء میں گویا رحمانی صاحب کے فرمان کو پروان چڑھانے کیلئے عدم مساوات کی بحث چھیڑ دی گئی ہے اس سلسلہ میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ دیگر بنات اطہار رضوان اللہ وسلام اللہ علیہن کے نکاح کی زیادہ تفصیلات کتب حدیث و سیرت میں مذکور نہیں۔ جیسے دیگر ابواب میں ہم یہ توجیہ کرتے رہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں، اگر یہی ضابطہ یہاں جاری کر لیا جائے تو اشکال ہی ختم ہو جائیگا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ دیگر بنات کرام کو جہیز دینے کی نفی رحمانی صاحب کی کلام میں تو ہے، لیکن کتب سیرت، حضرات محدثین، اور فقہاء کرام کی کلام میں یہ کلی نفی مذکور نہیں۔ اور رحمانی صاحب نے اس نفی پر کوئی حوالہ بھی پیش نہیں کیا، لہذا جب جہیز کا تذکرہ نفیاً و اثباتاً موجود نہیں تو اسے نفی کی دلیل بنالینا سیدہ زوری ہے۔

جبکہ قرائن اس کے خلاف ہیں۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص اور حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے حضرت خدیجہؓ کی حیات میں ہوا۔ جبکہ ان کا غنیہ ہونا اور ان کی فیاضی و سخاوت کتب سیرت بلکہ کتب تفاسیر میں مصرح ہے۔ ”ووجدك عائلا فاغنى“ تو ان کی سخاوت کا ظہور صاحبزادیوں پر ضرور ہوا ہوگا۔

نیز رحمانی صاحب کی جو عبارت سوال میں درج ہے کہ ”باقی کسی بیٹی کو کچھ دینا ثابت نہیں“ یہ سالبہ کلیہ ہے اس کی نقیض حسب تصریح موجبہ جزئیہ ہوتا ہے جبکہ ایجاب جزئی ثابت ہے کیونکہ حضرت ابوالعاصؓ جب غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے تو ان کو چھڑانے کیلئے حضرت سیدہ زینب بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے حضرت سیدہ زینبؓ کو شادی کے موقع پر دیا تھا، اسے دیکھ کر حضور ﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ چنانچہ سیرت مصطفیٰ میں ہے:

جب قریش جنگ بدر کیلئے روانہ ہوئے تو ابوالعاص بھی ان کے ہمراہ تھے، منجملہ اور لوگوں کے آپ بھی گرفتار ہوئے،

اہل مکہ نے جب اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے شادی کے وقت ان کو دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ہار کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور صحابہ سے فرمایا اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔ (سیرت مصطفیٰ ﷺ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶)

سونے کا زیور جہیز کا اعلیٰ فرد ہے۔ لہذا رحمانی صاحب کا سالبہ کلیہ باقی نہ رہا۔

اگر بالفرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہیز دینے کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا، تو بھی حضرات فقہاء کی کلام میں اس کا معروف ہونا تو مذکور ہے جو نفیس جواز کیلئے کافی ہے۔ اولاً: اس لیے کہ ہر مسئلہ کا قرآن و سنت سے صراحتاً ثابت ہونا کوئی ضروری نہیں۔ بے شمار ایسے اجتہادی مسائل موجود ہیں جن کی پشت پر قرآن و سنت سے ماخوذ کوئی ضابطہ ہوتا ہے، لیکن قرآن و سنت سے ان کا صراحتاً کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔

ثانیاً: عند الشرح عرف کے معتبر ہونے پر دلیل حدیث پاک ”ماراہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن“ موجود ہے۔ (شرح عقود)

جبکہ جہیز دینا اہل اسلام کے ہاں معروف و مشہور ہونے کی تصریحات حضرات فقہاء کی کلام میں موجود ہیں۔ کما مر

چلو آخر میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت جہیز دیا گیا تھا یا نہیں؟ جہیز کا سامان کس نے دیا، کس کو دیا اور کیا کچھ دیا؟ ان سوالات کے جوابات حدیث علیؑ جس کی تخریج امام نسائی نے کی ہے اس میں موجود ہیں:

عن علی رضی اللہ عنہ قال جہز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة فی خمیل وقرۃ ووسادة حشوها إذخر۔ (نسائی شریف، جلد ۲: صفحہ ۷۷)

امام نسائی نے اس پر جو ترجمہ الباب قائم فرمایا ”جہاز الرجل ابنتہ“ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تعاون کرنے یا زرہ کی رقم سے خریداری کا دور دور تک کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

الحاصل: شریعت مطہرہ کی روشنی میں جہیز دینے کی شرعاً اجازت ہے، یہ کوئی ہندوانہ رسم نہیں۔ باقی حدود و شریعہ سے تجاوز کہیں بھی جائز نہیں، مثلاً اپنی حیثیت سے بڑھ کر، سودی قرضہ اٹھا کر، جہیز دینا، نام و نمود اور شہرت حاصل کرنے کیلئے جہیز دینا، برادری کو بلا کر باقاعدہ اہتمام سے دکھانا، لڑکے والوں کی جانب سے جہیز کا مطالبہ، جہیز دیکر بچی کو میراث سے محروم کرنا وغیرہ یہ تمام امور ایسے ہیں جو جہیز کو مباحات کی صف سے نکال کر ممنوعات میں شامل کر سکتے ہیں۔..... فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۴۳۸/۱۰/۱۴ھ

آزادی وطن میں علماء کا کردار

مولانا محمد زبیر صاحب (معاون مدیر الخیر)

یوں تو محمد بن قاسم ؓ کے سندھ میں فاتحانہ قدم کے ساتھ ہی برصغیر میں اسلامی سلطنت کے قیام کی نشتِ اول رکھی جا چکی تھی، لیکن یہاں مستحکم اور مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد اس وقت پڑی جب چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں سلطان شہاب الدین غوری ؓ نے دہلی اور اجمیر کو فتح کیا۔ اس فتح کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بہترین خصوصیت یہ تھی کہ یہ محض سیاسی غلبہ اور فوجی فتح ہی نہ تھی بلکہ روحانی و قلبی غلبہ و تسخیر بھی تھا کیونکہ معلوم ہے کہ اگر مفتوح قوم کے قلوب و اذہان کی تسخیر کے بغیر بڑا دشمن صرف جسموں پر فتح حاصل کر بھی لی جائے تو وہ انتہائی ناپائیدار اور عارضی قسم کی فتح ہوتی ہے۔

شہاب الدین غوری ؓ کی اس فتح سے کچھ عرصہ قبل ہی خانوادہ چشت کے گلِ سرسبز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؓ نے اہل ہند کے قلوب و اذہان کی تسخیر شروع کر دی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو یہی منظور تھا کہ برصغیر میں اسلام کو صرف سیاسی و عسکری تسلط ہی حاصل نہ ہو بلکہ اسلام یہاں کے باشندوں کے رگ و پے میں سرایت کر جائے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی سلطنت کے وجود میں آنے کے بعد جہاں ایک طرف مسلمان بادشاہوں نے سیاسی استحکام، فتوحات کے دائرے میں وسعت، مقبوضات میں اضافے اور مختلف ریاستوں میں بٹی ہوئی ہندوستانی قوم کو ایک مستحکم، مثالی اور مضبوط نظام کی حامل مملکت بنانے میں کوشاں و سرگرم عمل رہے وہاں دوسری طرف صوفیائے کرام اور علمائے اسلام یہاں کے باسیوں کو حکمت و بصیرت کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور پیار و محبت کے ساتھ انہیں ایمان کی طرف بلاتے رہے۔ ان حضرات کی تبلیغی مساعی اور دعوتی کاوشوں کے نتیجے میں یہاں اسلام کی جڑیں نہایت مضبوط اور گہری ہو گئیں اور یہاں کے باشندے جوق در جوق باذوق و شوق حلقہ بگوش اسلام ہو کر خود کو اسلام کے رنگ میں رنگنے لگے: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمِنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

غوری ؓ کی فتح کے بعد پہلی اسلامی سلطنت کا باقاعدہ قیام غوری کے غلام قطب الدین ایبک ؓ کے بابرکت و خوش نصیب ہاتھوں سے عمل میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حکومت کو ”خاندانِ غلاماں“ کی حکومت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ غوری کی فتح دہلی و اجمیر (۵۸۷ھ) سے لے کر ۶۸۸ھ تک یعنی ایک صدی قائم رہنے والی اس سلطنت میں سلطان قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، رضیہ سلطان، ناصر

الدین محمود اور غیاث الدین بلبن جیسے قابل اور لائق بادشاہوں نے تختِ شاہی کو رونق بخشی۔

خاندانِ غلاماں کے بعد خلجیوں کو حکمرانی کا موقع ملا ان کی حکومت صرف تیس سال (۶۸۹ھ سے ۷۲۰ھ تک) قائم رہی ان میں جلال الدین فیروز شاہ خلجی اور اس کا بھتیجا علاؤ الدین خلجی نامور بادشاہ گزرے ہیں۔ خلجیوں کے بعد ۷۲۰ھ سے لے کر ۷۹۰ھ تک ستر سال کا عرصہ خاندانِ تغلقہ تختِ حکومت پر بر اجمان رہا خاندانِ تغلقہ کے مشہور بادشاہوں میں غیاث الدین تغلق، محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے نام شامل ہیں۔ ۷۹۰ھ سے لے کر ۸۱۷ھ تک طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا اسی دوران ۸۰۰ھ میں تیمور لنگ کے ہاتھوں دہلی کی تباہی و بربادی کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ ۸۱۷ھ تا ۸۵۵ھ سید خاندان کا دورِ حکومت ہے جس میں خضر خان وغیرہ حکمران ہوئے ۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ لودھی خاندان برسرِ اقتدار رہا اس خاندان میں بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی مشہور بادشاہ ہوئے۔ ۹۳۲ھ میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی بابر کی فوج کے ہاتھوں مارا گیا اور اس طرح پون صدی پر مشتمل لودھی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا یہ جنگ تاریخ میں پانی پت کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے (پانی پت کی دوسری جنگ میں اکبر نے ہمایوں کو شکست دی اور پانی پت کی تیسری جنگ وہ ہے جس میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست فاش دی)

مغل خاندان سے تعلق رکھنے والے ظہیر الدین بابر کی فتح سے مغل سلطنت کی بنیاد پڑی۔ مغلوں کی حکومت ۹۳۲ھ تا ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء قائم رہی تقریباً دو سو تیس برس تک قائم رہنے والی عظیم مغل سلطنت میں ظہیر الدین محمد بابر، نصیر الدین ہمایوں، جلال الدین محمد اکبر، نور الدین محمد جہانگیر، شہاب الدین شاہ جہاں اور محی الدین اورنگزیب عالمگیر جیسے اولوالعزم، حوصلہ مند، باہمت اور طنطنے کے بادشاہ سریر آرائے تختِ سلطنت ہوئے اور انہی صاحبِ سطوت بادشاہوں کے زمانے میں مغلیہ سلطنت کو عروج، استحکام اور وسعت حاصل ہوئی۔ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل سلطنت کا دورِ زوال شروع ہوا اور بالآخر ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری سے مغل سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

مغل سلطنت کے خاتمے کے بعد ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسط سے برطانوی تسلط قائم ہوا جو کہ برصغیر کی تقسیم (۱۹۴۷ء) تک رہا۔ کمپنی نے کس طرح زمامِ اقتدار و عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی؟ کون کون سے خوش نصیب لوگ اس کے ظالمانہ تسلط اور غاصبانہ قبضے کی راہ میں مزاحم رہے؟ کن نصیب وروں کو برطانوی قبضے کے بعد استخلاصِ وطن کی تحریک میں کردار ادا کرنے کا موقع ملا اور کن خیر خواہان قوم اور یہی خواہانِ ملت کی شانہ روز مساعی، انتھک جدوجہد اور پیہم تگ و دو سے بالآخر اہالیانِ برصغیر کو آزادی کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی؟ اس کا ایک اجمالی خاکہ اور مختصر سا تذکرہ ہم یہاں ندرتاً قارئین کرتے ہیں۔

تازہ خواہی و اشتن گرداغ ہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ایسٹ انڈیا کمپنی دراصل برطانیہ میں وہاں کے امراء کے سرمائے سے ہندوستان کے ساتھ تجارت کے لئے وجود میں آئی تھی اور اس نے ملکہ برطانیہ سے یہ خصوصی حکم جاری کروایا کہ ہندوستان میں تجارت کا حق صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوگا، کوئی اور برطانوی کمپنی ہندوستان کے ساتھ کسی نوعیت کے تجارتی مراسم کی مجاز نہیں ہوگی۔ یہ سترھویں صدی عیسویں کا زمانہ تھا اور ہندوستان پر اکبر کا بیٹا جہانگیر تخت حکومت پر براجمان تھا۔ ہندوستانی بادشاہ عموماً اور مغل خصوصاً انتہائی فیاض طبع اور سخی نہاد واقع ہوئے تھے چنانچہ مغل بادشاہوں کی فراخ دلی، ذرہ نوازی اور بیرونی مہمانوں کے ساتھ حد درجہ مروت و مہربانی اور احسان و اکرام پر مشتمل برتاؤ کی بدولت ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ فرخ سیر کے دور میں کمپنی نے بنگال میں بہت سے گاؤں میں زراعت کی اجازت بھی حاصل کر لی اور آہستہ آہستہ اس کے عزائم کی خطرناکی سامنے آنے لگی۔ بنگال کے حکمران نواب سراج الدولہ نے کمپنی کی بڑھتی ہوئی زرپرستی اور تجارتی غنڈہ گردی کو محسوس کرتے ہوئے کمپنی سے مزاحمت شروع کی چنانچہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی مشہور جنگ ہوئی اس جنگ کا فیصلہ میدان میں تو سراج الدولہ کے حق میں رہا لیکن انگریزوں کی سازشوں اور مکاریوں کی وجہ سے بنگال کی حکومت پر کمپنی کا قبضہ ہو جانے کی راہ ہموار ہوتی رہی۔ شجاع الدولہ اور میر قاسم نے بھی بکسر کی جنگ میں انگریزوں کو بری طرح شکست دی لیکن یہ سازش و عیار قوم اپنی عیارانہ چالوں کی وجہ سے جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹنے میں کامیاب ہو گئی۔ کل تک جو انگریز تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے، بکسر کی جنگ کے بعد وہ حکمران بن کر ہندوستان پر مسلط ہونے لگے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اورنگزیب عالمگیر ﷺ کی وفات کے بعد مغلوں کا دور زوال شروع ہو چکا تھا اور اس

ترکش مارا خدنگ آخیں

کے بعد تخت شاہی پر آنے والے شاہان مغلیہ کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہیں تھی۔ چنانچہ اس کا اندازہ یہاں سے لگائیے کہ بکسر کی فتح کے بعد ۱۷۶۵ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی نے بہار، بنگال اور اڑیسہ کے تین صوبے صلح میں انگریزوں کو دیدیے۔

قوے فر وختند وچہ ارزاں فر وختند

انگریزی تسلط کی راہ میں رکاوٹ بننے والے گروہ سرفروشاں میں شیرمیسور سلطان ٹیپو شہید ﷺ کا نام سب سے نمایاں ہے سلطان حیدر علی کے اس قابل فخر سپوت اور ملت اسلامیہ کے اس عظیم فرزند کے حالات زندگی اس قدر ولولہ انگیز اور شجاعت آفریں ہیں کہ باید و شاید! ٹیپو شہید اپنی ساری زندگی انگریزوں کے لیے دوسر بنارہا اور انہیں تگنی کا ناچ نچاتا رہا بالآخر انگریزوں نے اپنی عیاریوں کو کام میں لاتے ہوئے ۱۷۹۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی، مرہٹوں اور نظام دکن غدار کی مشترکہ فوج کے ذریعے شازشوں اور غدار یوں

کے جال میں پھنسا کر شیر میسور سلطان ٹپو کو شہید کر دیا اور بجاطور پر یہ اعلان کیا کہ ”آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔“ ۱۸۰۳ء میں دلی میں انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہیں انگریز ان لڑائیوں میں خوب جھمکے اور مرہٹوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے دلی کے انگریزوں کے قبضے میں آ جانے کے بعد ہندوستان برطانوی سامراج کے قبضے میں آ گیا اور اس طرح ہندوستان برطانوی نوآبادیات کا ایک حصہ بن گیا۔ ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد علمائے کرام اور مخلص و دیندار مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی کا پیدا ہونا فطری امر تھا چنانچہ ان دگرگوں حالات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کے لائق و فائق صاحبزادے اور تمام ہندوستانی علماء کے سرخیل حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ نے اپنا شہرہ آفاق فتویٰ دیا شاہ صاحب ؒ کے فتوے کا ترجمہ یہ ہے: جب کافر کسی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک اور ملحقہ علاقوں کے لئے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مالگزاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے پہلے جیسے امن و امان کے ساتھ نہ رہ سکیں تو وہ ملک سیاسی طور پر دارالحرب بن جاتا ہے۔

اس فتوے کے نتیجے میں علمائے اسلام نے خانقاہوں سے نکل رسم شبیری ادا کرتے ہوئے بہت سی جہادی تحریکیں چلائیں جن میں سید احمد شہید کی تحریک جہاد، علمائے صادق پور کی جہادی مساعی، یاغستانی جہاد، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور تحریک ریشمی رومال خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

مولانا سید محمد میاں ؒ کی ”علمائے ہند کا شاندار ماضی“ سید ابوالحسن علی میاں ندوی ؒ کی تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ متعلقہ سید احمد شہید) اور چوہدری غلام رسول مہر کی ”سیرت سید احمد شہید“ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد شہید ؒ کی تحریک جہاد محض جہادی تحریک ہی نہیں تھی بلکہ ایک کثیر الجہت اور وسیع الاطراف تحریک تھی جس نے مسلم قوم میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، اس تحریک نے دین مصطفویٰ کو غالیین کی تحریف، اہل باطل کے انتحال اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کر کے خالص اور حقیقی شکل میں پیش کیا، بدعات و رسومات کے عموم و شیوع کے بعد شریعت غراء اور سنت خالصہ کی طرف اہل ہند کو دعوت دی اور مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی زندگی میں سرایت کر جانے والے ہندو واندھمن کے اثرات کو زائل کرنے میں زبردست محنت اور انتھک جدوجہد کی۔ بعض اہل دل کے بقول اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جو جماعت من حیث الجماعت صحابہ کرام ؓ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے، وہ سید احمد شہید اور ان کے عظیم رفقاء کی جماعت ہے۔ اس جماعت کا ہر ہر فرد اپنی ذات میں ایک انجمن، تحریک اور ادارہ تھا

اور پوری جماعت ”زُہبان باللیل و فُرسان بالنہار“ کا نمونہ تھی لیکن افسوس صد افسوس کہ اس عظیم جماعت کو بھی اپنوں کی غداریوں کا سامنا کرنا پڑا اور دلی کے ناز و نعم میں پلے ہوئے شاہ زادے بالاکوٹ کی وادی میں قبائے نور سے سچ کر اور لہو سے با وضو ہو کر ”بخاک و خون غلطیدن“ کی رسم وفا نبھاتے ہوئے بارگاہِ حق میں سرخرو ہو گئے۔

سید بادشاہ کی اس عظیم تحریک کی کوکھ سے یاغستانی جہاد کی تحریک نے جنم لیا اور پھر یاغستانی جہاد کی تحریک نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے لئے زمین تیار کی لیکن اہل ہند کی قسمت میں ابھی مزید رسوائیاں اور غلامیاں لکھی تھیں چنانچہ ہندوستانی قوم کی لازوال قربانیوں، سرفروشیوں اور عزم و ہمت و جرأت و استقلال کے قابل فخر کارناموں کے باوجود کچھ غداروں کی جاسوسیوں اور اپنے ابنائے وطن کی مدد کرنے کی بجائے سات سمندر پار سے آنے والے اجنبیوں کے ہاتھوں اپنا ضمیر و ایمان بیچ ڈالنے کے قابل نفرت و ملامت عمل کی وجہ سے اس جنگ میں بھی انگریزوں کو فتح ملی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے برصغیر سے اسلام کے خاتمے کے لئے ایک طرف عیسائی مشنریوں کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی اور دوسری طرف ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اسلامی علوم کے سرچشموں اور شرعی علوم کے منابع کو خشک کرنے کے لئے ملکی نظم و نسق کو اس نہج پر ترتیب دیا کہ اسلامی و شرعی علوم کے ماہرین و حاملین حکومتی اداروں کے لئے بیکار محض ہو کر رہ گئے۔

کالے دل والے گورے انگریز کی ان چیرہ دستیوں کے مقابلے میں علمائے ہند نے جس عزم و استقلال کا مظاہرہ کیا اور حالات کی نامساعدت کے باوجود اسلامی علوم بلکہ نفس اسلام کے تحفظ و بقاء کے لئے مدارس کے قیام کا جو سلسلہ شروع کیا اس پر برصغیر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل علمائے ہند کے ان زریں کارناموں سے قطعی ناواقف اور یکسر نابلد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں جو مسخ شدہ تاریخ پڑھائی جا رہی ہے اس میں آزادی وطن کے ضمن میں علمائے اسلام کے روشن کردار کو اس کا جائز مقام حاصل نہیں ہے۔

ہماری نوجوان نسل کو آزادی کی جو تاریخ پڑھائی جا رہی ہے اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے الگ وطن کا مطالبہ کیا اور سات سال کی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آ گیا جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ آزادی وطن کے لئے بنیاد کا کام شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے نے دیا، ان بنیادوں پر سید احمد

شہید کی تحریک، یاغستانی جہاد کی تحریک اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے دیواریں تعمیر کیں اور پھر بیسویں صدی عیسویں میں شیخ الہند ؒ کی تحریک ریشی رومال، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات نے قصر آزادی پر گویا چھت بھی ڈال دی۔ ان تحریکوں نے برصغیر پر انگریزوں کی گرفت بہت حد تک کمزور کر دی تھی اور پھر جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم نے جب برطانوی سامراج کی کمر توڑی تو وہ دنیا بھر میں اپنی نوآبادیات سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گیا چنانچہ اسے ہندوستان کو بھی آزاد کرنا پڑا۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ۱۹۴۰ء تک ہندوستان کی آزادی نوشہہ دیوار بن چکی تھی اور انگریزی استبداد کا خاتمہ گویا طے ہو چکا تھا، ان حالات میں مسلم لیگ کی قیادت نے الگ وطن کا مطالبہ کیا اور علمائے کرام کی ایک بہت بڑی اور مؤثر تعداد نے اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس تحریک کو کامیاب کرانے میں اپنی مساعی صرف کیں، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ اور ان کے رفقاء کی تحریک پاکستان کے لئے جدوجہد کا خود بنیاد پاکستان کی طرف سے اعتراف ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر علمائے کرام تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دیتے تو اس تحریک کا کامیاب ہونا قریب قریب ناممکن تھا۔

لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی صف اول کی قیادت کی رحلت کے بعد مسلم لیگ کی قیادت ایسے طبقے کے ہاتھ میں آ گئی جس کے آباء و اجداد کا ماضی کچھ زیادہ تابناک نہ تھا اور بانی پاکستان نے ان کی نااہلیت اور تحریک استخلاص وطن میں ان کی کوئی قابل ذکر خدمات نہ ہونے کی وجہ سے انہیں کھوٹے سکوں تعبیر کیا تھا۔

چونکہ گزشتہ چند برسوں سے چودہ اگست کے دن دینی مدارس میں بھی آزادی کے حوالے سے تقاریر کا انعقاد ہونے لگا ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل مدارس اس موقع پر اپنے طلبائے کرام کو تاریخ پاکستان اور تحریک پاکستان میں علمائے کرام کے روشن کردار سے روشناس کرانے کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وطن عزیز کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست بنائیں اور اسے اندرونی و بیرونی دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھیں! آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین

حوالہ جات: علماء ہند کا شاندار ماضی از سید محمد میاں ؒ، تاریخ دعوت و عزیمت از سید ابوالحسن علی ندوی ؒ، سیرت سید احمد شہید از چوہدری غلام رسول مہر، مضمون مذکور ماہنامہ التبلیغ از مفتی امجد حسین صاحب

کُتب نما

برصغیر میں تجدید دین کی تاریخ..... اُردو ترجمہ..... التہمید تعریف ائمۃ التجدید:

مصنف: امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی

مترجم: مفتی عبدالحق آزاد رائے پوری

ناشر: رحیمہ مطبوعات، رحیمہ ہاؤس، 33/A کونیز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و معارف کے باکمال شارح، حضرت شیخ الہند کی سیاسی تربیت کے بے مثال نمونے اور عصری سیاست کے قابل رشک رموز دان تھے۔ عمر عزیز کا ایک بہت بڑا حصہ دنیا کے مختلف حصوں میں گزارنے کی بدولت دنیا بھر میں ہونے والی سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی تبدیلیاں ان کے لئے شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ تھیں خصوصاً برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے تو حضرت سندھی خود صورت گرتے لہذا اس تختی براعظم کی سماجی تشکیل اور سیاسی تاریخ کے موضوع پر ان کے رشحاتِ قلم جس قدر معتبر اور باوثوق ہو سکتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرت سندھی نے برصغیر میں ہونے والی انقلابی تجدیدی اور سیاسی جدوجہد کو قوم کے سامنے منظم و مرتب انداز میں پیش کرنے کے لئے ”التہمید تعریف ائمۃ التجدید“ کے نام سے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی تھی۔ اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب نے اسے حضرت سندھی کے ”افکار صالحہ کا ثمرہ“ اور صاحبِ نزہۃ الخواطر نے ”حسن ما کتب“ (مولانا سندھی تصانیف میں سب سے عمدہ) قرار دیا ہے۔

چونکہ ہمارے ہاں عربیت کا ذوق ناپید ہو چکا ہے نیز عوام الناس اور اُردو دان حضرات کے لئے بھی اس کتاب کے مضامین بے حد مفید ہیں لہذا اس کے اُردو ترجمے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی چنانچہ مفتی عبدالحق آزاد رائے پوری زید مجدہم نے اس عظیم کام کو اپنے ذمے لیا اور نہایت عمدگی، سلامت اور دل نشینی کے ساتھ کتاب کے چار مقالات میں تین مقالات کو اُردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ مترجم نے کتاب کے شروع میں ایک مفید مقدمہ اور حضرت سندھی کے حالات زندگی بھی درج

کر دیے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔
اس عظیم علمی و ملی خدمت پر مفتی عبدالحق آزاد رائے پوری صاحب اور ادارہ رحیمہ مطبوعات
مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کاغذ، کمپوزنگ، جلد، طباعت بہتر صفحات ۷۵۲ قیمت درج نہیں رابطہ: 042-36307714
سوانح حیات قطب عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ:

مصنفہ: مفتی عبدالحق آزاد رائے پوری

ناشر: رحیمہ مطبوعات، رحیمہ ہاؤس، 33/A کوئٹہ روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
قطب عالم، شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کی
ان جلیل القدر ہستیوں میں ایک ہیں جن کے وجود پر یہ خطہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے، علم و عمل، شریعت و طریقت
اور سیاست و اجتماعیت کے مختلف میادین میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وسیع خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔
حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی متنوع الجہات دینی خدمات کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا
ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی سمیت برصغیر کے
مختلف مدارس دینیہ کی سرپرستی فرما کر علوم شریعت کی نشر و اشاعت اور تحفظ و بقاء کا فریضہ بھی انجام دیتے
رہے، رائے پوری خانقاہ میں بیٹھ کر راہروان راہ طریقت و ملی کنندگان جادہ سلوک کے قلوب میں عشق الہی و
محبت خداوندی کا جذبہ محمود بھی پیدا کرتے رہے اور دین اسلام کے غلبے اور خطے سے انگریز سامراج کے
خاتمے کے لئے جرأت، عزیمت، استقلال، پامردی اور اولوالعزمی کے ساتھ ”تحریک ریشمی رومال“ میں
قائدانہ کردار بھی ادا کرتے رہے۔ جامعیت کی یہ شان بہت کم خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اگرچہ حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زیست مختلف سوانحی و تاریخی کتب میں منتشر طور
پر مرقوم ہیں لیکن اس جامع الصفات ہستی کی مفصل سوانح و ابستگان خانقاہ عالیہ رحیمہ پر ایک قرض تھا جس
سے سوانح نگار حضرت مولانا مفتی عبدالحق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ بطریق احسن سبکدوش
ہوئے ہیں یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۹۸ء میں طبع ہوئی تھی اور ایک عرصے سے نایاب تھی، زیر نظر نیا ایڈیشن
گراں قدر معلومات اور وسیع اضافہ جات پر مشتمل ہے۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اکابر کی سوانح اور برصغیر کی
تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

کاغذ، کمپوزنگ، جلد، طباعت بہتر صفحات ۷۲۰ قیمت درج نہیں رابطہ: 042-36307714

سنن و آداب، قرآن و حدیث کی روشنی میں:

مؤلفہ: مولانا ابوبکر بن مصطفیٰ استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

ناشر: مکتبۃ الایمان کراچی

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق انسانوں کی رہنمائی موجود ہے، لہٰذا سے لے کر مہد تک حیاتِ انسانی کا کوئی دور ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ رہبری کے لئے موجود نہ ہو اور روزمرہ کھانے پینے اور سونے جاگنے جیسے معمولی کاموں سے لے کر سیاست و جہان بینی جیسے اہم امور تک ہر معاملے میں سنتِ نبویہؐ بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے، لیکن دورِ حاضر کا المیہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں اور آپ ﷺ سے محبت کا دم بھرنے والوں میں بھی سنتوں کے کماحقہ اہتمام کا ذوق شوق نہیں رہا۔

زیر تبصرہ کتاب اہل اسلام میں پائی جانے والی اس غفلت و کوتاہی کے ازالے کے لئے ایک اکسیر ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں عقائد، معمولات، یومیہ، عبادات، معاشرت، معاملات، سیاسیات، علمیات، دعوت و تبلیغ اور سلوک و تصوف کے علاوہ دیگر متفرق امور سے تعلق رکھنے والے آداب و سنن کو اختصار، جامعیت اور حوالہ جات کے التزام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کتاب اس لائق ہے کہ اسے تعلیم بالغاں کے نصاب میں شامل کیا جائے اور عوام الناس کے لئے از خود بھی اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

کاغذ، کمپوزنگ، طباعت بہتر صفحات ۴۸۰ قیمت درج نہیں رابطہ: 0321-2466024

جنید جمشید ایک عہد ساز شخصیت:

مرتبہ: محمد عدنان مرزا

ناشر: مکتبۃ الایمان کراچی

جنید جمشید مرحوم انتخاب خداوندی کا ایک مظہر تھے، اوائلِ ربیعان و ابتدائے جوانی کا زمانہ لہو و لعب، ناچ گانے اور شوبز کی خیرہ کن چکاچوند میں گزارنے کے باوجود جب دعوت و تبلیغ کی برکت سے دین کی طرف رغبت پیدا ہوئی تو پھر انہوں نے پیچھے مڑ کر کبھی نہیں دیکھا، بلکہ دعوتِ دین کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے کر ہمہ تن اسی محنت کے ہو کر رہ گئے حتیٰ کہ دعوت و تبلیغ کے ایک سفر میں ہی جانِ عزیز جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ جنید جمشید جیسے لوگوں کی زندگی عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور دنیا داری سے نکل کر دینداری کے ماحول میں آنے والوں کے لئے خصوصاً سبق آموز، قابلِ تقلید اور ایک بہترین اسوہ ہے۔

مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے جناب محمد عدنان مرزا صاحب نے ”جنید جمشید ایک عہد ساز شخصیت“ کے نام سے یہ کتاب تالیف کی ہے جس میں مرحوم کے متعلق مختلف اصحاب علم و ادب باب قلم کے مضامین، تعزیتی نظموں اور خود مرحوم کی پڑھی ہوئی مختلف نعتوں اور نظموں کو جمع کیا ہے۔ کاغذ، کمپوزنگ، طباعت بہتر صفحات ۳۳۳ قیمت درج نہیں رابطہ: 0321-2466024

احادیث نبوی ﷺ:

ناشر: مبین ٹرسٹ اسلام آباد

مبین ٹرسٹ (وقف) ایک معروف اشاعتی ادارہ ہے جو مختلف دینی موضوعات پر کتابیں فی سبیل اللہ شائع کرتا رہتا ہے۔ ”۱۰۰ احادیث نبوی ﷺ“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں معتبر کتب احادیث سے ۱۰۰ مختصر احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حدیث کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔ کاغذ، کمپوزنگ، طباعت بہتر صفحات ۱۶ رابطہ: 0345-5085010, 0333-5605090

وحدانی، ثنائی چہل حدیث بروایت امام اعظم ابوحنیفہ (تبصرہ از مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی):

مؤلفہ: شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز خیر آبادی

ناشر: جامعہ خلفائے راشدین ڈیرہ غازیخان

حدیث میں سند عالی کو اقرب الی الصحتہ ہونے کی وجہ سے ترجیح ہوتی ہے البتہ غیر عالی سند کے راوی اگر فقہاء ہوں تو وہ رائج ہوتی ہے اور اگر سند عالی بھی ہو اور راوی بھی فقیہ ہوں تو اس کے رائج ہونے میں کوئی شک نہیں امام بخاری کی بائیس ثلاثیات ہیں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے ثابت کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقیہ بھی ہیں اور ان کی سند عالی یا وحدانی ہیں یا ثنائی تو ان کا مرتبہ محدثین کے ہاں سب سے بڑا ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس خدمت کی قدر کرنے کی توفیق دیں۔ اگر ابتدائی طلبہ کو یہ احادیث یاد کرادی جائیں تو بہت فائدہ ہوگا۔

کاغذ، کمپوزنگ، طباعت بہتر صفحات ۶۷ قیمت درج نہیں رابطہ: 064-2460846

[illegible]

اللہ تعالیٰ جملہ مسافر ان آخرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ قارئین النیر سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

۵۶

۵۶۰



۵۸



